ہندوستان میں غیر مُلکی سیّاح

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نھرو بال پستکالیہ — ۱۰

ہندوستان میں غیر ملکی سیّاح

مصنّف۔۔ ڈاکٹر کے، سی، کھنّہ

مصوّر کرشن کھنّہ

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

مارچ ۱۹۷۲ چیتر ۱۸۹۴

فوٹو بشکریہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا

قیمت 1.50

تقسیم کار
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ — جامعہ نگر۔ نئی دلّی ۲۵
اُردو بازار۔ دلّی ۶
پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳
شمشاد مارکیٹ علیگڈھ

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، اے۔۵ گرین پارک، نئی دہلی ۱۶ نے اندرپرستھا پریس (سی۔ بی۔ ٹی)
نہرو ہاؤس ۴۔ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی ۱ میں چھپوا کر شایع کیا۔

میگستھنیز اور ہندوستان

دوسرے لوگ ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟

یہ سوال ہمیشہ پُرکشش رہا ہے، اسی لیے ہم بہت ہی دل چسپی کے ساتھ ان لوگوں کے حالات پڑھتے ہیں جو ہزاروں سال پہلے ہمارے ملک میں آئے تھے اور آج لوگ ہمارے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، اس کا مقابلہ ہم اس سے کرتے ہیں۔ ان سیاحوں کی کہانیاں ایک اور وجہ سے بھی دلچسپ ہوتی ہیں کہ وہ قدیم ہندوستان کی تاریخ کے سلسلے میں سب سے زیادہ واضح ماخذ ہیں۔ شاہی درباروں کی شان و شوکت کے تذکروں کے ساتھ ان سفرناموں میں مذہبی رسوم کی وضاحت، اور ادنیٰ اور بے حقیقت سازشوں کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ ہم ایک ایسی خارجی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں جاہ و حشم ہے، رقاصائیں ہیں، تزک و احتشام ہے، سفاک قاتل ہیں اور کھُرا انصاف ہے۔ اکثر و بیشتر یہ سیاح اپنے زمانے کے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات پر بھی بالواسطہ روشنی ڈال دیتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں چار سیاحوں کا تذکرہ ہے جو مختلف زمانوں میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کی سیاحت کے حالات و اسباب ان کی تحریروں پر بھی اثر انداز ہیں اور اسی لیے انھوں نے اپنی جن رایوں کا اظہار کیا ہے، وہ قابلِ توجہ ہیں۔ میگستھنیز اور البیرونی جو عالِم اور درباری تھے، نے سماجی اور معاشی حالات کو نمایاں کیا ہے جب کہ فاہیان اور ہیون سانگ جو چینی بھکشو تھے، نے مذہبی معاملات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔

ہندوستان میں آنے والا پہلا سیاح میگستھنیز ہے۔ وہ یہاں کئی سال رہا اور اس نے اپنی کتاب 'انڈیکا' میں ہمارے ملک اور لوگوں کے بارے میں تفصیلی حالات تحریر کیے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ اب موجود نہیں ہے لیکن اس میں درج واقعات کو بعد کے زمانوں کے ادیبوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اگرچہ ان کی بنیاد پر اس زمانے کے ہندوستان کی مکمل تصویر تو کھینچی نہیں جا سکتی ہے مگر ایک ایسا خاکہ ضرور بن سکتا ہے جو کم و بیش درست ہی ہوگا۔

میگستھنیز ہندوستان کیوں آیا تھا؟

تقریباً ۲۴۰۰ برس پہلے، سکندرِ اعظم کے جرنیل سیلوکس نکیٹر نے ہندوستان کے ان علاقوں کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی جو ایک بار پہلے سکندر کے زیرِ نگیں آ چکے تھے، لیکن بجائے فاتح بننے کے وہ خود چندرگپت موریہ سے ہار گیا۔ چندرگپت نے اسے ۳۰۵ ق۔م میں شکست دی اور ایک شادی کے رشتے سے ہی ان میں اتحاد قائم ہو سکا۔ اس کے بعد سیلوکس نے چندرگپت کے دربار میں میگستھنیز کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔

میگستھنیز، موریہ کے دارالسلطنت 'پاٹلی پتر' (نزد جدید پٹنہ) میں قیام پذیر ہوا اور پھر اس نے سارے ہندوستان کی سیر کی۔ اس نے ہندوستان کی جغرافیائی ساخت اور طول و عرض کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قریب قریب صحیح ہے۔ اس نے ہمارے بڑے بڑے دریاؤں، گنگا اور سندھ کو دیکھا تھا۔ موسمِ برسات کے علاوہ جب کہ دریاؤں میں طغیانی آ جاتی تھی، ان دونوں دریاؤں اور ان کے معاون دریاؤں میں جہاز رانی ہو سکتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ آج کے مقابلے میں اس زمانے میں دریائی راستوں کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ اس زمانے میں لوگ سڑکوں کا بھی پورا پورا استعمال کرتے تھے۔ اور شمال مغرب سے پاٹلی پتر کو جانے والی سڑک بہت مشہور تھی۔ اس سڑک پر مسافروں کے آرام

برگد کا وہ عظیم الشّان درخت جس کا میگستھنیز نے تذکرہ کیا ہے۔

کے لیے سایہ دار درخت، سنگِ میل، مسافر خانے اور کنوئیں موجود تھے۔ ان آسائشوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سڑک ہماری موجودہ گرانڈ ٹرنک روڈ کا پیش خیمہ تھی۔

یہاں کے مختلف درختوں نے بھی میگستھنیز کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ وہ خاص طور سے بڑ کے درختوں سے بہت متاثر ہوا جن کی شاخیں بھی زمین میں پہنچ کر جڑ پکڑ چکی تھیں۔ میگستھنیز کا کہنا ہے کہ ان درختوں کے تنے اتنے موٹے ہوتے تھے کہ پانچ آدمیوں کا گھیرا بھی ان کے گرد اپنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا تھا، اس نے بڑ کے ایک درخت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جس کے سائے میں چار سو گھوڑے سوار دھوپ سے پناہ لے سکتے تھے۔

میگستھنیز نے ہندوستان کی آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ اس کی زرخیز زمین میں ہر سال دو فصلیں اُگتی تھیں، موسمِ سرما میں گندم، جَو اور دالیں بوئی جاتی تھیں، السی، باجرہ، تل اور چاول کی کھیتی برسات میں کی جاتی تھی۔ دو چیزوں کو دیکھ کر میگستھنیز بہت حیران ہوا، اس کے کہنے کے مطابق بغیر شہد کی مکھیوں کے شہد بنایا جاتا تھا، یہ یقیناً گُڑ ہوگا، جسے گنّے سے بنایا جاتا ہے۔ اِسے روئی کے پودے دیکھ کر بھی بہت حیرت ہوئی، وہ سمجھا کہ اس ملک میں اُون کی بھی کھیتی کی جاتی ہے! میگستھنیز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سونے کی کانیں اور موتی بکثرت ہیں اور اُس وقت بھی مغربی ملکوں میں سونے کے مقابلے میں موتی کی قیمت تین گنا زیادہ تھی۔

میگستھنیز کے لیے ہندوستان کے جانور بھی کم دل چسپ نہ تھے۔ اس نے مشرقی ہند کے جن مضبوط اور طاقت ور شیروں کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً ہمارے موجودہ بنگال ٹائیگر کے آبا و اجداد ہی ہوں گے۔ میگستھنیز نے کالے مُنہ اور لمبی دم والے لنگور بھی دیکھے تھے اور پرندوں کی دنیا میں اس نے خصوصیت سے بولنے والے طوطوں کا تذکرہ کیا ہے۔ گھوڑوں کو رتھوں میں جوتا جاتا تھا اور ان کی آنکھ پر پٹّی باندھ کر ایک دائرے میں گُھما گُھما کر انھیں آج کل کی طرح سدھایا جاتا تھا۔

اس وقت ہندوستان میں جنگلی ہاتھیوں کی بھی کمی نہیں تھی، انھیں پکڑ کر جنگ کے لیے سدھایا جاتا تھا۔ ان ہاتھیوں کے پکڑنے کا ایک خاص طریقہ تھا، جس کا میگستھنیز نے خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے ایک ہموار میدان کے گرد گہری کھائی کھودی جاتی تھی اور ایک پُل کے ذریعہ اس میدان میں جانے کا راستہ بنایا جاتا تھا اور اس کھائی کو گھاس پھونس سے ڈھک دیا جاتا تھا، پھر چند پالتو ہاتھیوں کو

گھوڑے کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر سدھایا جاتا تھا

اس شکاری جال (میدان) میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ رات کے وقت ان ہاتھیوں کی آوازیں سُن کر جنگلی ہاتھی ان کی طرف بھاگتے تھے اور پُل پار کر کے میدان میں پہنچ جاتے تھے۔ شکاری جو کھائی کے قریب بنے اپنے جھونپڑوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے ہوتے تھے، فوراً ہی جا کر پُل توڑ دیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے سدھائے ہوئے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آتے تھے۔ پہلے تو ہاتھیوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر کمزور کر دیا جاتا تھا، اس کے بعد اپنے طاقت ور پالتو ہاتھیوں سے ان پر حملہ کرایا جاتا تھا۔ جب کوئی جنگلی ہاتھی مقابلے کی تاب نہ لا کر

قدیم ہندوستانی پوشاک

زمین پر گر جاتا تھا تو شکاری فوراً اس کے گرد پھندا ڈال دیتے تھے اور پھر ہاتھی کی گردن میں زخم کر کے یہ پھندا اس میں پھنسا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد شکاری اس پر سوار ہو کر گاؤں واپس آتے تھے اور زخم کی تکلیف کے ڈر سے یہ ہاتھی اپنے پیٹھ کے سواروں کو ذرا سا ہلا بھی نہ سکتے تھے۔

ہندوستان کے باشندوں کے بارے میں میگستھنیز نے لکھا ہے کہ لوگ دراز قامت اور چھریرے بدن کے ہوتے تھے اور زیادہ تر سفید سوتی لباس پہنتے تھے جو کہ ان کے گہرے رنگ سے بالکل متضاد ہوتا تھا۔ زیریں جامہ دھوتی کی طرح ہوتا تھا) اور اوپری لباس شانوں پر ڈال لیا جاتا تھا جس سے کبھی کبھی سر بھی ڈھک لیا جاتا تھا۔

اُمراء رنگ برنگے ریشمی کپڑے پہنتے تھے، وہ اپنی ڈاڑھیوں کو مختلف رنگوں، سفید، نیلے، ارغوانی یا ہرے رنگ سے رنگ لیتے تھے۔ وہ کانوں میں ہاتھی دانت کے بالے ڈالے رہتے تھے اور بقیہ جسم کو سونے

ہندوستانیوں کے کردار اور چال چلن کی میگستھنیز نے بے انتہا تعریف و توصیف کی ہے۔ اس کی تحریر کے مطابق ہندوستانی بلند اخلاق تھے اور بلا وجہ کے جھگڑے پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس قدر ایمان دار تھے کہ اپنے مکانوں میں قفل لگانا غیر ضروری خیال کرتے تھے۔ مشکل ہی سے کوئی چوری ہوتی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں نوشتہ قانون بھی نہیں تھا، لوگ تمام معاملات اپنے رسم و رواج اور روایات کے مطابق طے کرتے تھے۔ انھوں نے تحریری ضابطوں کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ وہ قانون سے مدد حاصل کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ تجارتی معاملات میں زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی قابلِ بھروسہ ہوتے تھے۔ نیک نیتی ہی سب سے قیمتی شے سمجھی جاتی تھی، سچائی کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے ہاتھ پَیر کاٹ دیے جاتے تھے۔ دانشوروں کا احترام کیا جاتا تھا اور گزرے ہوئے عظیم اور بڑے لوگوں کی تعریف و توصیف میں گیت گائے جاتے تھے اور ان کی تقلید و پیروی کی پوری پوری کوشش کی جاتی تھی۔

موریہ سلطنت کا دارالحکومت، پاٹلی پتر اپنی شان و شوکت کے لیے مشہور تھا۔ دریائے گنگا کے کنارے آباد یہ شہر نو میل لمبا اور ڈیڑھ میل وسیع تھا۔ اس کے چاروں طرف لکڑی کی دیوار بنی تھی جس میں چونسٹھ اٹھاؤ پُل، اور پانچ سو ستر مینار تھے۔ باہر کے لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکنے کے لیے اس کے باہر چاروں طرف ایک گہری خندق کھدی ہوئی تھی۔ مکانات دو دو تین منزلہ تھے اور لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور آگ سے بچاؤ کے بہت سے طریقوں سے لوگ واقف تھے۔

شہر کے وسط میں شاہی محل تھا جو خوبصورت باغوں اور جھیلوں اور مچھلیوں کے تالابوں سے گھِرا ہوا تھا، باغات میں طرح طرح کے خوبصورت پرندے بھی موجود تھے۔ محل اگرچہ لکڑی کا بنا ہوا تھا مگر اس کی دیواروں پر سونے چاندی سے بہت زیادہ نقاشی کی گئی تھی۔

مہاراجہ سونے کے کام کا باریک ململ کا لباس پہنتا تھا اور سنہری پالکی میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر

کے زیورات اور قیمتی پتھروں سے سجاتے تھے۔ وہ پھول پہننے کے بھی بہت شوقین تھے۔ وہ موٹے تلے کے سفید چمڑے کے جوتے پہنتے تھے اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے چھتری ضرور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ہندوستان کے لوگ عموماً صحت مند اور لمبی عمر کے ہوتے تھے۔ اس کی وجہ میگستھنیز کے خیال میں سادہ خوراک اور شراب نہ پینا تھا۔ چاول کی شراب صرف قربانی کے موقعوں پر پی جاتی تھی۔ اگر وہ کبھی بیمار یا پریشان ہوتے تھے تو وہ یوگیوں اور برہمن مفکروں سے مشورہ کرتے تھے، یہ یوگی یا ون پرستھی جنگلوں میں رہتے تھے، درختوں کی چھال پہنتے اور جنگلی پھلوں پر گزارہ کرتے تھے۔ ہر قسم کی جسمانی بیماریوں کے لیے جو دوائیں تجویز کی جاتی تھیں وہ عموماً پودوں کی جڑیں یا پھول وغیرہ ہوتے تھے۔

میگستھنیز لکھتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں باعصمت اور پاک دامن ہوتی تھیں لیکن دولت کی خاطر وہ ایسے آدمی سے بھی شادی کر لیتی تھیں، جس کی پہلے سے ہی چاہے ایک سے زیادہ بیویاں موجود ہوں۔ کیوں کہ وہ جلد ہی بالغ ہو جاتی تھیں، اس لیے ان کی شادی بھی جلد ہی ہو جاتی تھی۔ لڑکیوں کو مقدس علم (مذہبی علم) سکھایا نہیں جاتا تھا، جہیز کا رواج نہیں تھا۔ ایک ہندوستانی رسم نے اسے ضرور متحیر کیا۔ اس نے بڑے تعجب سے لکھا ہے کہ غریب لوگ جو اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ انھیں فروخت کے لیے بازار میں بھیج دیتے تھے۔

ذات پات کے نظام نے میگستھنیز کو کافی پریشان کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ لوگ اپنے پیشوں کے مطابق سات حصوں فلسفی، کسان، گڈریے، صنعت کار، تاجر، سپاہی، جاسوس اور پنچ یا حاکم میں تقسیم تھے۔ اس کا کہنا ہے کہ "ذات کے باہر شادی قطعی ممنوع تھی، اور کسی کو اپنا پیشہ یا کام بدلنے یا ایک سے زیادہ پیشے اپنانے کی بھی اجازت نہ تھی"۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

غزہیوں کی سواری

جاتا تھا۔زیادہ تر لوگ گھوڑوں پر سفر کرتے تھے۔کچھ لوگ اونٹوں پر بھی سفر کرتے تھے مگر جو لوگ گدھے کی سواری کرتے تھے' انھیں بہت ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔دولت مند ہاتھی کی سواری کرتے تھے اور اکثر و بیشتر رتھوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔

اس زمانے کی خاص تفریح اور دلچسپیاں جُوا کھیلنا، بیلوں کی دوڑ، جانوروں کی لڑائی اور پہلوانوں کی کشتیاں دیکھنا تھا۔عوام بھی خوش تھے اور اُمرا تو بڑی آسائش کی آرام دہ زندگی گزارتے تھے۔میگستھنیز نے لکھا ہے کہ یہ لوگ آبنوس کی ہموار چھڑیوں سے اپنے جسم کا مساج کراتے تھے۔

آبنوس کی لکڑی سے جسم کی مالش

اپنے تمام جاہ وحشم کے باوجود مہاراجہ کو اپنے قتل کا خدشہ لگا رہتا تھا۔اپنی حفاظت کے اس نے بہت سخت انتظامات کر رکھے تھے۔اس کا کھانا اس کے سامنے چکھا جاتا تھا اور وہ کبھی بھی مسلسل دو راتوں کو ایک ہی کمرے میں نہیں سوتا تھا۔اس کے ساتھ ہر وقت مسلح عورتوں کا ایک محافظ دستہ رہتا تھا۔جب وہ شکار کھیلنے جاتا تھا تو راستے کی حدبندی رسّوں سے کی جاتی تھی' جن کے پار کرنے کی سزا موت ہی تھی۔اس کے جاسوسوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جو اسے شہر کے حالات سے باخبر رکھتا تھا۔

چندرگپت نے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے سات لاکھ آدمیوں کی ایک فوج رکھی ہوئی تھی۔اس فوج کا انتظام تیس عہدے دار کرتے تھے اور یہ چھ حصّوں میں تقسیم تھی۔(۱) جہاز، (۲) بار بردار' رسد اور نقل وحمل (۳) پیادہ فوج (۴) گھوڑے سوار (۵) رتھ اور (۶) ہاتھی۔

اس زمانے میں لڑائی اور جنگ ایک باقاعدہ چیز نہیں تھی، کاشت کاری کو اہمیت حاصل تھی اور جنگ کا اثر تمام ملک پر نہیں پڑتا تھا۔فوجیوں کی قسمت کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا تھا جہاں ہاتھی بڑی اہمیت رکھتے تھے۔پیادہ فوج کے ہر سپاہی کے پاس آدمی کے قد کے برابر ایک کمان ہوتی تھی، جس میں وہ تین گز لمبا تیر استعمال کرتا تھا۔پیادہ سپاہی غضب کے تیر انداز ہوتے تھے جو دشمنوں پر تیروں کی بارش کر دیتے تھے۔میگستھنیز کہتا ہے "کوئی بھی ایسی ڈھال، زرہ بکتر یا چیز نہیں تھی' جس کی آڑ میں ان تیروں سے بچا سکے۔" دوبدو لڑائی میں سپاہی کے پاس بچاؤ کے لیے اُلٹے ہاتھ میں بھینسے کی کھال کی ایک ڈھال رہتی تھی۔بعض سپاہی کمان کے بجائے لمبے پھل کے نیزے لیے رہتے تھے لیکن تین ہاتھ لمبی چوڑے پھل کی تلوار سب سپاہیوں کے پاس ہوتی تھی جسے وہ دونوں ہاتھوں سے استعمال کرتے تھے۔

گھوڑے پر کاٹھی نہیں ڈالی جاتی تھی اور ہر سوار کے پاس دو نیزے اور ایک چھوٹی ڈھال

ہوتی تھی۔ گھوڑے کے مُنہ میں لگام یا دہانہ دینے کی بجائے، کیلوں سے جڑا ہوا بھینسے کی کھال کا ایک گول ٹکڑا باندھ دیا جاتا تھا۔ یہ تکلیف دہ ذریعہ جانور کو قابو میں رکھنے کے لیے تھا۔

جنگ سے متعلق جانور اور ہتھیار مہاراجہ کی ملکیت ہوتے تھے جنھیں ضرورت پوری ہونے کے بعد گھوڑوں کو اصطبل میں اور ہتھیاروں کو اسلحہ خانے میں جمع کرانا پڑتا تھا۔ مہاراجہ کو اندرونی بغاوت اور باہری حملوں کا ہمیشہ خدشہ رہتا تھا، اسی لیے وہ اتنی بڑی فوج اپنی سلطنت کو قابو میں رکھنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔

فوجی عہدے داروں کے علاوہ شہری انتظامیہ کے بھی افسر تھے جو زمین کی ناپ اور ٹیکسوں کی وصولی کے ساتھ ساتھ دوسرے متعلقہ کام بھی انجام دیتے تھے۔ وہ دریائی نقل وحمل کی نگرانی کے ساتھ ساتھ کان کنی اور صنعت کاروں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ وہ ٹیکس جمع کر کے سڑکیں بنواتے تھے، جن پر فاصلہ اور سمت کی نشان دہی کے لیے ستون لگوائے جاتے تھے۔

پاٹلی پتر کا انتظام بھی تیس عہدے داروں کے سپرد تھا جو پانچ پانچ کے چھ بورڈوں میں تقسیم تھے۔ پاٹلی پتر میں غیر ملکیوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ تمام پیدائش اور اموات کا مردم شماری کے نقطۂ نظر سے باقاعدہ اندراج ہوتا تھا، تمام صنعتوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ ناپ تول کے لیے وزن اور پیمانے مقرر تھے۔ ہر قسم کی فروخت کی نگرانی کی جاتی تھی اور حکومت اپنے تمام ٹیکس پوری تندہی سے وصول کرتی تھی۔

میگستھنیز کے وقت میں بڑی پُراسرار، دلچسپ اور عجیب وغریب روایات اور کہانیاں ہندوستان کے نام کے ساتھ وابستہ ہوگئی تھیں۔ میگستھنیز نے، جو خود بڑے کچے عقیدے کا مالک تھا، بڑی سنجیدگی کے ساتھ ان بیہودہ کہانیوں کو دُہرایا ہے جو اُس نے اپنے قیام کے زمانے میں سُنیں اور جن پر اس کو یقین تھا!

سونا کھودنے والی چونٹیاں

پَر والے خطرناک بچھو

اس نے سونا کھودنے والی ایسی چیونٹیوں کا ذکر کیا ہے، جو دریائے سندھ کے نچلے علاقے میں جہاں دردائی رہتے تھے، پائی جاتی تھیں۔ یہ چیونٹیاں لمبائی چوڑائی میں لومڑی کے برابر ہوتی تھیں اور اپنا گھر بنانے کے لیے جب وہ زمین کھودتی تھیں تو اس مٹّی میں سونے کے ذرّات ملے ہوتے تھے۔ یہ ذرات حاصل کرنے کے لیے لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتے تھے اور چیونٹیوں کو مصروف رکھنے کے لیے جنگلی جانوروں کے گوشت کے پارچے نیچے ڈال دیتے تھے

میگستھنیز کا تذکرہ کردہ عجیب و غریب کتّا

اور خود سونے کے ذرات اکٹھے کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ سونے کی یہ مٹّی بہ آسانی حاصل کر لیتے تھے لیکن اگر کبھی یہ چیونٹیاں ان کو دیکھ لیتی تھیں تو وہ ان کے پیچھے لگ جاتی تھیں اور آخر کار انھیں ان کے جانوروں کے ساتھ ہلاک کر دیتی تھیں میگستھنیز نے دو ہاتھ لمبے ایسے جانوروں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے چمگادڑوں کے سے پر تھے اور ایسے ہی بڑے بڑے اُڑنے والے بچھو بھی تھے اور ایسے کتّے تھے جو اتنی شدّت سے کاٹتے تھے کہ آنکھیں ٹیڑھی ہو کر باہر گر جاتی تھیں۔

بڑے بڑے کان اور ماتھے کے درمیان صرف ایک آنکھ رکھنے والا ہیبت ناک آدمی

اس قسم کی من گھڑت اور خیالی جانوروں کی کہانیوں تک محدود نہ رہتے ہوئے میگستھنیز نے نو فٹ لمبے ایسے آدمیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے کچھ کے نتھنے ہی نہیں ہوتے تھے اور کچھ کے کان اتنے لمبے ہوتے تھے کہ سوتے وقت وہ ان کے قدموں تک پہنچتے تھے۔ کچھ کی ایڑیاں سامنے کی طرف ہوتی تھیں۔ کچھ لوگوں کے کان کتّوں کے کانوں سے مشابہ تھے اور بعض کی صرف ایک آنکھ ان کی پیشانی کے عین بیچ میں ہوتی تھی !

ایک قدیم کتبہ

میگستھنیز نے موریہ سلطنت کی تفصیل کے ساتھ جو عکاسی کی ہے اس کو مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ موریہ سلطنت میں ایک باضابطہ شاہی انتظام تھا جس نے بڑے بااثر طریقے پر ملک کے مختلف النوع معاشی نظام کو سنبھال رکھا تھا۔ ٹیکسوں کا ایک باقاعدہ ضابطہ تھا اور زمین کے سروے کا بھی باقاعدہ رِکارڈ رکھا جاتا تھا۔ قانون اور پولیس کا کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا کیونکہ لوگ عموماً ایمان دار تھے اور شاذ ہی کوئی چوری ہوتی تھی۔ تشدّد کو سختی سے دبا دیا جاتا تھا۔ انصاف کی خاص اہمیت تھی اور مہاراجہ خود کھُلے دربار میں تمام مقدمات سنتا تھا۔ عوام خوش تھے اور ہر آدمی خود بخود ہی دربار کے سیاسی اور دلچسپ معاملات سے متعلق رہتا تھا۔

موریہ دَور کے سکّے

فاہیان کا ہندوستان کا سفر

فاہیان جو چین کا ایک بُدھ بھکشو تھا، نے میگستھنیز کے تقریباً سات سو برس بعد ہندوستان کی سیاحت کی۔اُس کی کتاب "بُدھ حکومتوں کے حالات" سے پندرہ سو برس پہلے کے ہندوستان کے حالات پر بہت روشنی پڑتی ہے۔

ہندوستان آنے والے پہلے مشہور چینی زائر کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ فاہیان جب ایک چھوٹا سا بچہ تھا تو اس کے ماں باپ نے اُسے بُدھ بھکشو بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اس مقصد کے لیے اسے بُدھ خانقاہ میں بھکشو کی تربیت حاصل کرنے کے لیے داخل کر دیا۔ ابھی فاہیان کی عمر مشکل سے دس برس کی ہوئی ہوگی کہ وہ یتیم ہو گیا لیکن اس نے اپنی خانقاہی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنا درس جاری رکھا۔ ایک روز جب وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ چاول کی فصل کاٹ رہا تھا، قزاق آپہنچے، سب لڑکے خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، صرف فاہیان اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اُس نے اُن لٹیروں سے بات کی اور انھیں بتایا "تم اپنے ان بُرے کرموں کی بدولت، جو تم نے اپنی پہلی زندگی میں کیے تھے، ڈاکو بنے ہو، اگر تم بُرائی کے راستے پر اب بھی چلتے رہے تو تمھارا مستقبل ہمیشہ تاریک رہے گا۔" لٹیرے فاہیان کی باتوں سے متاثر ہو گئے اور چاول لوٹے بغیر واپس چلے گئے۔

بیس برس کی عمر میں فاہیان تربیت پا کر مکمل بھکشو بن گیا اور پانچ سال بعد ۳۹۹ء میں اس نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ چودہ سال اپنے گھر سے دور رہا، جس میں چھ سال سفر میں لگے، چھ سال اس نے ہندوستان میں بسر کیے اور دو سال وہ لنکا میں رہا۔ اس نے بڑی

اور بحری راستوں سے ہزاروں میل کا سفر کیا تھا۔ ایک دین دار بُدھسٹ ہونے کی حیثیت سے اس کا پہلا مقصد تمام بُدھ مقامات کی زیارت کرنا اور بُدھ مت کی کتابوں اور تبرکات کا جمع کرنا تھا، اس میں شک نہیں کہ چین میں بُدھ مت کی اشاعت کے ساتھ وہاں بُدھ خانقاہیں بن گئی تھیں اور کئی مقدس کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ بھی کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود چینی بھکشوؤں کو بُدھ مت کی خانقاہی زندگی کے اصول و ضوابط کی مکمل معلومات نہ تھی۔ وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ بُدھ مہاراج کی صحیح تعلیم کیا ہے۔ اسی خواہش اور جستجو میں بُدھ بھکشو اور عالم ہندوستان آتے رہے۔

میگستھنیز کے زمانے سے اس وقت تک کے حالات کا ایک سرسری جائزہ لے لینا مناسب رہے گا۔ موریوں کے بعد کُشن نامی ایک غیر ملکی قبیلہ نے قوت حاصل کی اور کنشک کے زیرِ نگیں ایک وسیع سلطنت کا قیام عمل میں آیا جو وسط ایشیا سے متھرا تک پھیلی ہوئی تھی۔ بُدھ مت کا پیرو بننے کے بعد کنشک نے اس مذہب کو اپنی تمام سلطنت میں پھیلایا، جہاں سے یہ چین اور دوسرے ملکوں میں پہنچا۔ اس زمانے میں جب کہ فاہیان اپنی سیاحت پر نکلا، کُشن سلطنت کو ختم ہوئے مدت ہو چکی تھی لیکن بُدھ مت کا اُن ملکوں میں اب بھی اثر باقی تھا جہاں جہاں یہ رائج ہو چکا تھا۔

بُدھ مت خُتن (موجودہ سن کیانگ) اور دوسری جگہوں پر کنشک کے تین سو سال بعد بھی رائج تھا، فاہیان کو ہزاروں بھکشو بُدھ خانقاہوں میں باضابطہ زندگی گزارتے ہوئے ملے۔ ایک خاص خانقاہ جس کی تعمیر میں ۸۰ سال لگے تین بادشاہوں کے دورِ حکومت میں مکمل ہوئی تھی۔ خانقاہ کے مرکزی ہال میں بُدھ مہاراج کا ایک مجسمہ تھا جس پر بہت خوبصورت نقاشی کی گئی تھی۔ اس کے شہتیر، ستون اور دروازوں اور کھڑکیوں پر سونے سے پھول پتیاں بنائی گئی تھیں۔ وہ کمرے جہاں بھکشو رہتے تھے، اس قدر آراستہ و پیراستہ تھے کہ فاہیان ان کی خوبصورتی کے اظہار کے لیے الفاظ تلاش نہیں کرسکا۔
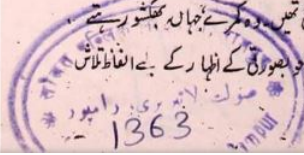
ان مٹھوں میں بھکشو گھنٹی کی آواز سُن کر کھانے کے لیے آتے تھے اور نہایت باقاعدگی سے خاموش بیٹھ جاتے تھے۔ کھانے کے وقت انھیں جس شے کی ضرورت ہوتی تھی، اس کے لیے وہ صرف ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔ فاہیان نے جن مذہبی جلوسوں کا ذکر کیا ہے، وہ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں، تہواروں کے موقعوں پر مہاتما بُدھ اور ہندو دیوتاؤں کے مجسّمے گاڑیوں میں رکھ کر نکالے جاتے تھے جو ریشمی جھنڈیوں اور شامیانوں سے مُرصّع ہوتی تھیں، راجہ اور ملکہ دھوپ، اگربتّی اور پھولوں سے ان کی آرتی اُتارتے تھے اور پھر اپنی دولت خیرات میں

مہاتما بُدھ کا بھیک مانگنے کا پیالہ اور صندل کی چھڑی وغیرہ
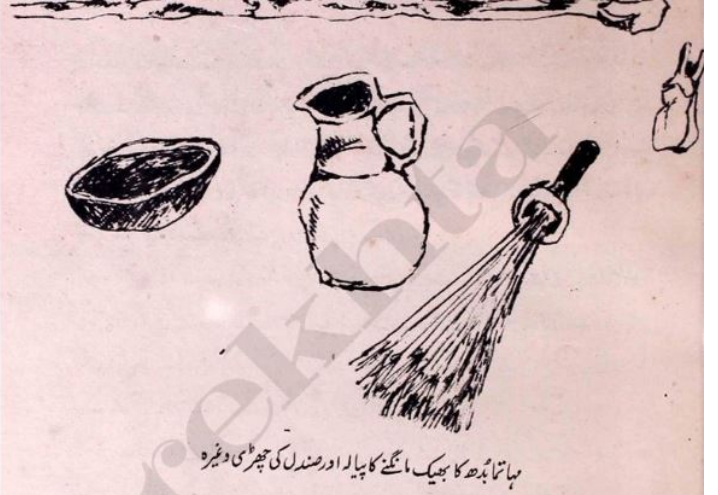
دیتے تھے۔

جب فاہیان ہندوستان آیا، اس وقت ہندوستان میں چندر گپت وکرمادیتہ کا راج تھا، کشمیر میں "اسکاردو" کے مقام پر راجہ نے ایک پانچ سالہ جلسہ کیا، جس کے اختتام پر راجہ اور اس کے وزراء نے بھکشوؤں کو انعامات سے نوازا۔ یہاں ایک مٹھ میں فاہیان نے بہت سے تبرکات دیکھے، جن میں سے ایک تھوکدان اور دوسرا مہاتما بدھ کا ایک دانت تھا۔ گندھار میں ایک چٹان پر ثبت مہاتما بدھ کے قدم کا ایک نشان بھی اس نے دیکھا تھا۔ پُروشپور (پشاور) کے مقام پر اس نے ایک گنبد دیکھا جو مہاتما بُدھ کی یادگار میں کنشک نے بنوایا تھا۔ ایک اور گنبد میں مہاتما بُدھ کا بھیک مانگنے کا پیالہ، ان کی کھوپڑی کی ہڈی کا ایک ہموار ٹکڑا اور ان کے استعمال میں رہنے والی صندل کی لکڑی رکھی تھی۔ ان سب چیزوں کی پوجا کی جاتی تھی، لیکن جس شے نے فاہیان کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اس کے اپنے الفاظ میں "مہاتما بُدھ کی مکمل شبیہ تھی جس میں ان کی جلد سونے کی طرح چمک رہی تھی" دیکھنا تھا۔ بُدھ معتقدوں کو یقین تھا کہ مہاتما بُدھ اس دنیا میں اپنی پرچھائیں چھوڑ گئے ہیں جس کے درشن سچّے پیروؤں کو ہی ہوتے ہیں۔

متھرا کی طرف جاتے ہوئے فاہیان نے راستے میں بہت سے مٹھ دیکھے، جو ہزاروں بھکشوؤں کی رہائش گاہیں تھیں۔ مذہبی رواداری قدیم ہندوستان کی قابل قدر خصوصیت رہی ہے۔ فاہیان جہاں بھی گیا، اس نے دیکھا کہ راجہ اور امراء، ہندو اعتقاد کے ہوتے ہوئے بھی بُدھ بھکشوؤں کی عزت کرتے تھے، انھیں خیرات دیتے تھے اور مٹھوں کو زمین دان کرتے تھے۔

مدھیہ پردیش میں فاہیان نے بہت سے ایسے مقامات کی یاترا کی جو کہ کسی نہ کسی سبب سے مقدس زیارت گاہیں بن چکے تھے کیوں کہ یا تو وہاں مہاتما بُدھ نے غسل کیا تھا، اپنے بال ترشوائے تھے، یا اپنے ناخن کاٹے تھے۔ فاہیان نے بغیر کسی پس وپیش کے ان معجزوں پر یقین کر لیا تھا، جو مہاتما بُدھ کے نام سے منسوب تھے!

بُدھ خانقاہی زندگی میں یہ بات نمایاں حیثیت رکھتی تھی کہ مختلف خیالات کے بھکشو اور بھکشونیاں ان مٹھوں میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اگرچہ ان کے نظریات مختلف تھے، مگر وہ روادار تھے اور بغیر کسی تخصیص کے ان بھکشوؤں اور مسافروں کی خاطر مدارات کرتے تھے، جو کہ ان مٹھوں سے ہو کر گزرتے تھے۔

دوسری اہم شے جس کا فاہیان نے ذکر کیا ہے کوسل کے راجہ پرسنا جیت، جو کہ مہاتما بُدھ کا ہم عصر تھا، کی صندل کی لکڑی پر بنوائی ہوئی بُدھ کی شبیہ ہے، جس کی پوجا ہونے لگی تھی، اس طرح مورتی پوجا کا رواج بُدھ کے زمانے سے یا اُن کے کچھ ہی بعد سے ہو گیا تھا۔

بدھ مت کے تمام مقدس مقامات کی زیارت کے دوران فاہیان نے دیکھا کہ ان میں سے کئی شہر مثلاً کپل وستو، سراوستی، راج گریہا اور گیا غیر آباد ہو چکے تھے۔ پاٹلی پتر، جسے اس نے پھولوں کا شہر کہا ہے، میں اسے معلوم ہوا کہ اشوک نے اپنی سلطنت میں چوراسی ہزار وہار بنوائے تھے۔ وہ شاہی محل کی شان و شکوہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے لکھا "شاہی محل اور بڑے بڑے
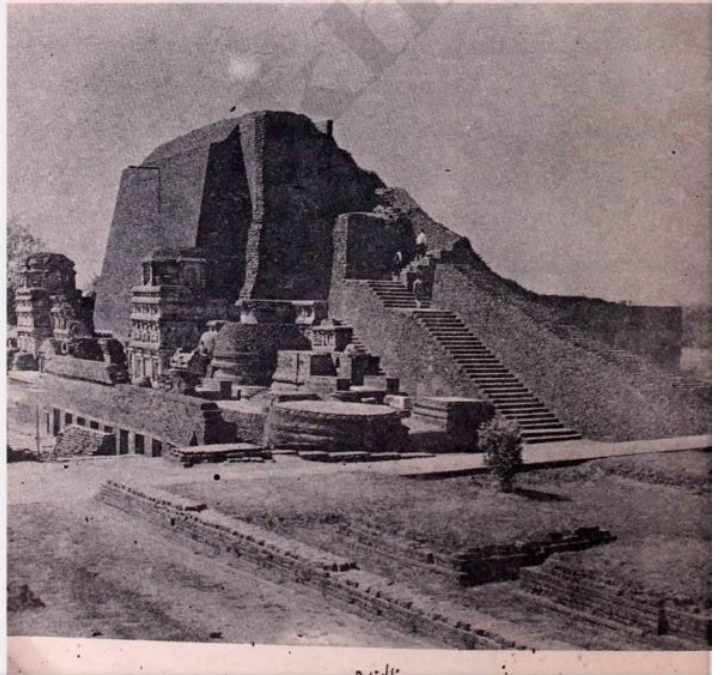
ہال جو شہر کے وسط میں اب بھی قائم ہیں، ان کی تعمیر یقیناً غیر انسانی ہاتھوں سے ہوئی ہوگی کیوں کہ بھاری بھاری پتھروں کی چنائی کرنا، بلند و بالا دیواروں اور اونچے دروازوں کا بنانا اور پھر انھیں خوشنما نقاشی سے مرصع کرنا انسانی ہاتھوں کا کام نہیں ہو سکتا۔ پاٹلی پتر میں اشوک کا بنوایا ہوا شیر کی شکل کا ستون بھی اسے بہت پسند آیا تھا۔

دکن جاتے ہوئے فاہیان نے ایک مشہور مٹھ کے بارے میں سنا جسے 'کبوتر مٹھ' کہتے تھے۔ یہ عجیب و غریب ہندوستان کے معماروں کے فن کی جیتی جاگتی یادگار تھی۔ اسے ایک بڑی سی چٹان سے کاٹ کر بنایا گیا تھا اور اس کی پانچ منزلیں تھیں۔ سب سے نیچے کی منزل ایک ہاتھی کی شکل میں تراشی گئی تھی اور اس میں پانچ سو کمرے تھے۔ دوسری منزل شیر ببر کی شکل میں تھی اور اس میں چار سو کمرے تھے۔ تیسری منزل کی تراشش ایک گھوڑے کی تھی اور اس میں تین سو کمرے تھے۔ چوتھی منزل بیل نما تھی اور اس میں دو سو کمرے تھے۔ سب سے اونچی یعنی پانچویں منزل ایک کبوتر کی شکل میں تھی اور اس میں سو کمرے تھے۔ اس منزل سے اوپر پہاڑ میں ایک چشمہ تھا، جہاں سے تمام منزلوں کو پانی فراہم ہوتا تھا۔ سب کمروں میں روشنی کے لیے کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ فاہیان اس مٹھ میں تین سال تک رہا، جہاں اس نے سنسکرت پڑھی اور کچھ اہم کتابیں بھی جمع کیں۔

اس وسطی سلطنت، جو رقبے میں ہمارے موجودہ اُتر پردیش کے برابر اور آبادی میں بہت زیادہ تھی، میں انصاف کا نظام اس قدر اچھا تھا کہ اس نے فاہیان کا دل جیت لیا۔ وہ کہتا ہے "راجہ قتل یا پھانسی کی سزا قطعی نہیں دیتا تھا۔ مجرموں کو ہلکا یا بھاری جرمانہ ان کے جرم کے مطابق کیا جاتا تھا، حد تو یہ ہے کہ بغاوت کا جرم بار بار دُہرانے پر بھی صرف سیدھا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔" اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت نرمی سے کام لیتی تھی کیوں کہ
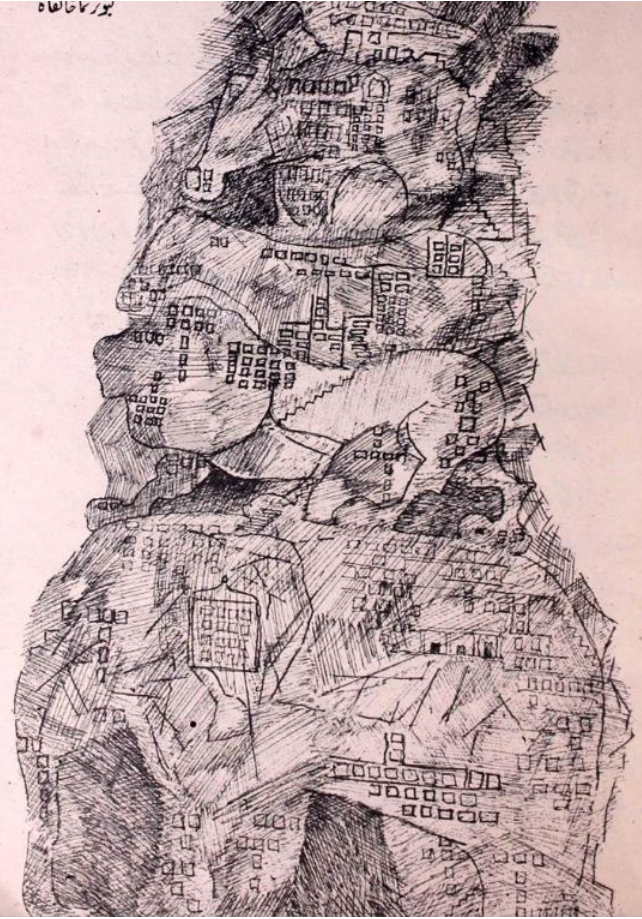
جرائم بہت کم ہوتے تھے۔

فاہیان نے اگرچہ ملک کے اقتصادی اور معاشی حالات پر بڑا سرسری تبصرہ کیا ہے لیکن وہ بھی بہت اہم ہے۔ اس نے لکھا ہے "اشیار کی خرید وفروخت میں لوگ کوڑیوں کا استعمال کرتے تھے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ سکّے کا وجود تھا لیکن چیزیں اتنی سستی تھیں کہ لوگ انھیں کوڑیوں کے مول خریدتے تھے۔ "راجہ کے محافظوں اور ملازموں کی تنخواہیں مقرر تھیں"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں زمین بطور جاگیر نہیں دی جاتی تھی جیسا کہ بعد کے زمانے میں رواج ہوا۔

فاہیان نے اکثر مبالغہ سے کام لیا ہے۔ ہندوستان میں اہنسا (عدم تشدّد) کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے "تمام ملک میں لوگ کسی بھی زندہ جانور کو نہیں مارتے اور نہ ہی نشہ آور مشروب کا استعمال کرتے ہیں، یہاں تک کہ پیاز اور لہسن کا بھی استعمال نہیں کرتے۔" تمام آبادی کے بارے میں ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور نا ہی یہ بات حاکموں اور امراء کے لیے صحیح ہو سکتی ہے جو شکار کے شوقین تھے۔ حالاں کہ فاہیان نے لکھا ہے کہ "ملک میں قصائیوں اور نشہ آور مشروبات کی دُکانیں نہیں تھیں"۔ جب کہ چنڈال اور اچھوت جو کہ شکاری تھے، گوشت فروخت کرتے تھے۔

چھوت چھات کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا، اچھوتوں کا سماج میں ادنیٰ ترین درجہ تھا۔ چنڈال شہر کے باہر رہتے تھے۔ فاہیان نے لکھا ہے "وہ جب کبھی شہر کے کسی دروازے یا مارکیٹ میں داخل ہوتے تھے تو ایک لکڑی سے زمین پر ٹھک ٹھک کرتے ہوئے چلتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ لوگ انھیں جان کر نظر انداز کر دیتے تھے اور ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے تھے۔"

بور کا خانقاہ

ہندوستان میں رہنے کے بعد فاہیان تامرلپتی (تملوک) سے لنکا کے لیے روانہ ہوا۔ اس سفر میں اسے چودہ دن لگے۔ لنکا میں دو سال قیام کر کے وہ چین واپس چلا گیا۔ فاہیان کا یہ واپسی کا سفر بہت خطرناک رہا۔ اور یہاں تک کہ اس کی جان جانے کی نوبت بھی آگئی مگر سب باتوں کا اس نے بہت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس نے اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مشرق کی سمت پہلے تین دن کا سفر تو ٹھیک رہا کیوں کہ ہوا کا رُخ ٹھیک تھا۔ لیکن پھر جہاز کو طوفان نے گھیر لیا۔ جہاز ایک کھلونے کی طرح اُچھلنے لگا اور اس میں پانی بھر آیا۔ تاجروں نے چھوٹی کشتی میں جانا چاہا، لیکن جو لوگ کشتی میں موجود تھے انھوں نے یہ سوچ کر کہ کشتی بہت زیادہ لوگوں کا وزن برداشت نہ کر سکے گی، اس سے بندھا رسّہ کاٹ دیا۔ تاجر اپنی جان پر بنی دیکھ کر بہت پریشان ہو گئے۔ جہاز کو ہلکا رکھنے کے خیال سے انھوں نے اس کا بھاری بھاری سامان پانی میں پھینک دیا۔ فاہیان نے بھی اپنا خیمہ، ہاتھ دھونے کا برتن اور دوسرا کچھ سامان سمندر کی نذر کیا۔ سمندر پر کچھ ایسے قزاق بھی ہوتے ہیں۔ جن کا سامنا پیامِ اجل ہے۔ سمندر لامحدود وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں مشرق و مغرب کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ صرف سورج، چاند اور ستاروں کو ہی رہبر بنا کر آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ اگر آسمان ابر آلود ہے اور اندھیرا چھایا ہوا ہے تو تیز ہوا جہاز کو کسی طرف بھی لے جا سکتی ہے۔ رات کی تاریکی میں صرف اونچی اونچی لہروں کو ہی دیکھا جا سکتا ہے جو ایک دوسرے پر حاوی آنے کی کوشش میں مصروف ہوتی ہیں، اس ٹکراؤ سے ایک روشنی سی پیدا ہوتی ہے جس سے نظر بڑے بڑے کچھوؤں اور دیگر دہشتناک سمندری جانوروں پر پڑتی ہے۔ جہاز کے سب مسافر خوف زدہ تھے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ کدھر جا رہے ہیں، سمندر کی گہرائی لامحدود تھی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ رُکنے کے لیے لنگر کہاں ڈالا جائے، جب آسمان صاف ہو گیا اور مشرق و مغرب کا پتہ چلنے لگا تو جہاز سیدھا آگے بڑھنے لگا۔ اگر راستے میں سمندر کی تہہ میں چھپی کوئی چٹان آجاتی تو بچاؤ کا کوئی راستہ بھی نہ رہتا۔"

اگرچہ فاہیان نے زیادہ تر ان جگہوں کے بارے میں لکھا ہے جو مہاتما بدھ کے نام سے منسوب تھیں لیکن پانچویں صدی کے ہندوستان کی دوسری چیزوں کے بارے میں اس کا سرسری سا تذکرہ بھی ہمارا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ گپتاؤں کے دورِ حکومت میں ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جرائم کی کثرت نہ تھی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ بدھ مت جو ہندوستان کے باہر دوسرے بہت سے ملکوں میں رائج تھا، اپنی جنم بھومی ہندوستان میں اپنی اہمیت اور شاہی سرپرستی کھو چکا تھا۔ ہندو مذہب پھر غالب آرہا تھا۔ لوگوں کی روزمرہ کی زندگی میں مذہب کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ لیکن یہ ان کے درمیان کسی عناد کا ذریعہ نہیں تھا۔ مہاتما بدھ اور دوسرے ہندو دیوی دیوتاؤں کی مقدس دنوں میں ایک ساتھ پوجا ہوتی تھی اور مذہبی رواداری ہندوستانی زندگی کا ایک اہم جز تھی۔ پورے ہندوستان میں بھکشو پھیلے ہوئے تھے جو قدیم مٹھوں میں رہتے تھے، اگرچہ وہ سب یکساں خیالات کے نہیں ہوتے تھے لیکن پھر بھی بڑی باضابطہ زندگی گزارتے تھے۔ اہنسا کا فلسفہ جس سے سبزی خوری نے رواج پایا، بدھ اور ہندو، دونوں مذہبوں میں مشترک تھا۔ دوسری طرف ذات پات جسے مہاتما بدھ نے ختم کرنے کی کوشش کی تھی، پھر سے زندگی پانے لگی تھی۔
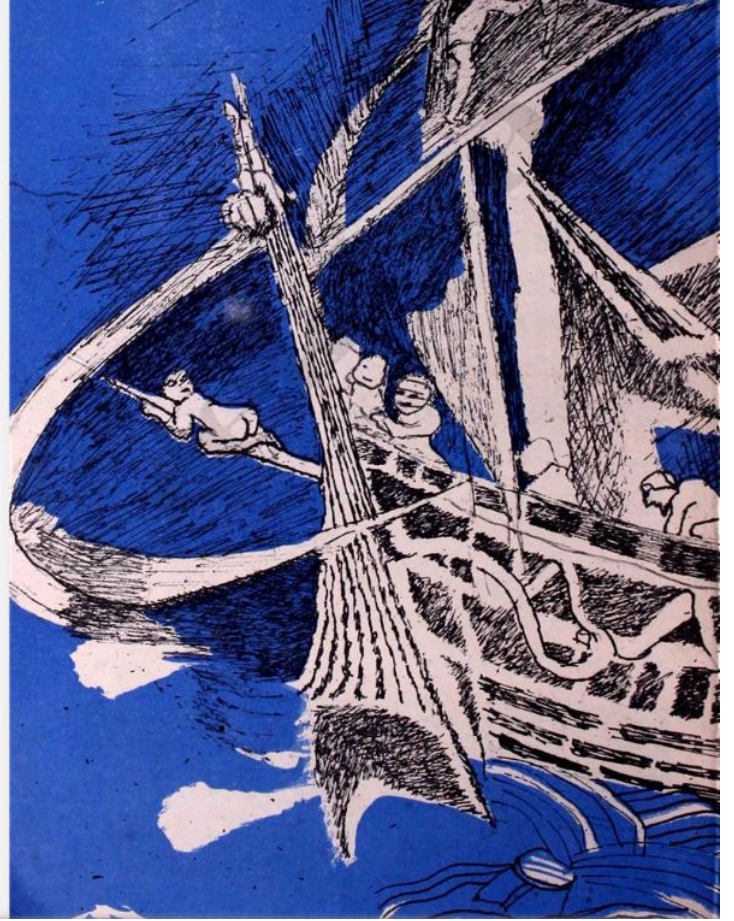
ہیون سانگ کے زمانے میں ہندوستان

فاہیان کے دو سو سال بعد ایک اور چینی یاتری ہندوستان آیا۔ اس کا نام ہیون سانگ تھا۔ اس نے اپنے بارہ جلدوں پر مشتمل سفرنامے یا مغربی ممالک کی دستاویزات میں ہندوستان میں اپنی سیاحت کے حالات تحریر کیے ہیں۔

ہیون سانگ چین کے ایک قدیم معزز خاندان کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ وہ بہت ذہین تھا، اسی لیے اس کے باپ نے تیرہ سال کی عمر میں اسے اس کے ایک بڑے بھائی کی نگرانی میں ایک خانقاہ میں رہنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے مٹھ والوں نے اسے بغیر مقابلے کا امتحان لیے مٹھ میں داخل کر لیا۔ سات برس تک وہ مشہور و معروف مذہبی درس گاہوں میں گھومتا رہا۔ اس چیز نے ہیون سانگ کے دل میں خانقاہی زندگی گزارنے کی خواہش پیدا کر دی اور وہ بہت جلد ایک بھکشو بن گیا۔

بیس سال کی عمر میں جب کہ وہ ایک سند یافتہ بھکشو بن چکا تھا، اس کے دل میں یہ خیال جگہ پانے لگا کہ عوام بُدھ مذہب کی اصل خوبیوں سے قطعی ناواقف ہیں۔ اگرچہ اس نے بہت زیادہ لکھا پڑھا تھا مگر پھر بھی وہ بُدھ مذہب کے ضابطوں اور اصولوں سے پوری طرح واقف نہیں ہوا تھا، اس نے سوچا کہ: "اگر میں ہندوستان جا سکوں اور جا کر اصل کتابوں کا مطالعہ کر سکوں تو پھر میں ضرور اپنے شکوک کا ازالہ کر سکوں گا۔" اس لیے فاہیان کی طرح ۲۹ سال کی عمر میں اس نے

ہندوستان کے مقدس مقامات کی زیارت کا ارادہ کیا تاکہ ہندوستان کے بدھسٹ عالموں سے ملاقات کر کے مذہب کے ان قوانین کو سمجھا جا سکے جن کی واقعی مہاتما بدھ نے تعلیم دی ہے۔

چینی شہنشاہ نے اسے ملک سے باہر جانے کی اجازت نہ دی لیکن ۶۲۹ء میں وہ چپکے سے نکل گیا، اس کی سیاحت کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی بری راستے سے ہندوستان آیا تھا اور جنوبی بری راستے سے واپس لوٹا تھا۔ سفری سہولتیں اس زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھیں اور اس سفر کی، جس میں پندرہ ہزار میل ریگستانوں، پہاڑوں اور اجنبی سرزمین میں طے کرنے تھے، دشواریاں بے پایاں تھیں۔ فاہیان کی طرح ہیون سانگ بھی اپنے گھر سے تقریباً پندرہ برس دور رہا (۶۲۹ء تا ۶۴۴ء) اس مدت کا بڑا حصہ اس نے ہرش کی حکومت اور ہندوستان کی سیاحت میں گزارا۔

فاہیان کے دو سو برس بعد بدھ مت کا کیا حال تھا! اس بارے میں ہیون سانگ کے خیالات قابلِ توجہ ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق بدھ مت کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اور وسطی ایشیا کے حکمراں ہر طرح سے زائرین کی مدد کرتے تھے۔ ایک بادشاہ نے تو خصوصیت سے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تھا، وہ اسے ساری زندگی کے لیے اپنی حکومت میں ٹھہرانا چاہتا تھا کہ وہ اس کی رعیت کی بدھ مت کے سلسلے میں رہبری کر سکے۔ ہیون سانگ اس بات سے خوش نہیں ہوا بلکہ اُس نے دکھ محسوس کیا کیوں کہ اس نے اس مقصد کے لیے سفر اختیار نہیں کیا تھا۔ اس بات سے ڈر کر کہ بادشاہ زبردستی اسے اپنی سلطنت میں روکنے کی کوشش کرے گا، ہیون سانگ نے بھوک ہڑتال کر دی۔ جب یہ بات بادشاہ کے گوش گزار کی گئی تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے ہیون سانگ کو جانے کی اجازت دے دی مگر اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ واپسی میں بھی اس کے پاس آئے گا۔

ان پہاڑوں کو طے کرنے کے بعد جو ہمیشہ ہی برف سے ڈھکے رہتے ہیں، ہیون سانگ ایک ترکی بادشاہ کی حکومت میں پہنچا، جو زر دوزی کردہ خیموں میں بڑی شان و شوکت سے اپنا دربار لگاتا تھا۔ وہ اور اس کے مصاحب شراب پینے اور موسیقی سننے کے بہت شوقین تھے۔ اس نے ہیون سانگ کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کی بہت خاطر مدارات کی، زائر کا سفری پروگرام سُن کر خان نے کہا۔

"تم ہندوستان کیوں جانا چاہتے ہو؟ وہاں بہت گرمی پڑتی ہے اور لوگ بھی غیر ملکیوں کے ساتھ اکھڑپنے سے پیش آتے ہیں!" لیکن ہیون سانگ اپنے ارادے میں پختہ تھا، خان نے بھی اسے روکنے کی زیادہ کوشش نہیں کی بلکہ اس نے یاتری کو اس کے سفر سے متعلق زیادہ سے زیادہ مدد بہم پہنچائی۔ اس بات کو جان کر کہ ہیون سانگ افغانستان کے لوگوں کی زبان نہیں سمجھ سکے گا، اس نے اس کے ساتھ ایک رہبر کر دیا جو ترجمان کا کام بھی انجام دے سکتا تھا۔

بلخ اور بامیان میں ہیون سانگ نے دیکھا کہ بدھ مذہب خوب پھل پھول رہا ہے جب کہ اس کو رائج ہوئے پانچ سو سال ہو چکے تھے۔ بدھ مت کنشک کے زمانے میں یہاں آیا تھا۔ اس نے بہت سی یادگاریں اور تبرکات دیکھے۔ فاہیان کی طرح اسے بھی مہاتما بدھ کا پانی کا جگ، جھاڑو اور ایک دانت دکھایا گیا، تہواروں کے دن وہ سب بھکشو جو مٹھوں میں رہتے تھے، ان کی پوجا کرتے تھے۔

کوہ ہندوکش پار کرنے کے بعد وہ جب وادی کابل میں داخل ہوا تو وہاں بھی بدھ مت ہی رائج تھا اور بہت سی یادگاریں مہاتما بدھ کے کسی نہ کسی معجزے ہی سے منسوب تھیں۔ ہیون سانگ نے بھی بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ اس نے خود مہاتما بدھ کے موت کے ہزاروں سال بعد ایک چٹانی غار پر ان کا سایہ دیکھا تھا۔

وہ غالباً درۂ خیبر کے راستے سے ہندوستان پہنچا تھا۔ ہیون سانگ نے شمال مغربی علاقے میں بہت سے دیہاتوں اور شہروں کو غیر آباد پایا۔ صرف پشاور کا علاقہ جیسا کہ آج کل ہے ویسا ہی ہرا بھرا تھا۔ میگستھنیز کی طرح اسے بھی گنّے سے گڑ بناتے دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ پرُوشپور

(پشاور) میں جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ۵۰۰ ق م کا مشہور زمانہ پانِنی، ماہرِ گرامر اسی علاقے کا رہنے والا تھا، تو وہ اس کی جائے ولادت دیکھنے کے لیے شمال میں سوات تک گیا۔

سندھ پار کر کے وہ سیدھا کشمیر پہنچا جو کنشک کے زمانے سے اپنی درس و تدریس کے لیے مشہور تھا۔ یہاں بہت سی خانقاہیں اور مٹھ تھے، جن میں بھکشو رہتے تھے۔ کشمیر کے راجا نے اس کی بہت عزت کی اور اسے بیس خوشنویس دیے کہ وہ اس کی مطلوبہ مقدس کتابوں کی نقل کر سکیں۔ ہیون سانگ اپنے کام کی تکمیل کی خاطر یہاں دو برس تک ٹھہرا رہا۔

کشمیر سے واپسی میں وہ چِہکا (شاید ساکلا، موجودہ سیالکوٹ، مغربی پاکستان) سے گزرا۔ ہیون سانگ کا کہنا ہے کہ یہ جگہ ہلکی اور عمدہ ململ کے لیے مشہور تھی۔ کلو اور جالندھر کے راستے سے سفر کرتا ہوا وہ متھرا پہنچا اور ہرش کی حکومت میں داخل ہوا۔ ہرش، جو شمالی ہندوستان کا سب سے طاقتور حکمراں تھا۔ ہیون سانگ کا کہنا ہے کہ تھانیشور اور وہ سرزمین جو کوروکشیترا کے آس پاس تھی ہمیشہ مذہبی تقدس کی زمین یعنی 'دھرم شیتر' کہلاتی تھی۔

متھرا سے قنوج کو جاتے ہوئے ہیون سانگ نے گنگا، ہندوستان کے مقدس دریا کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "ان گنت گناہ اس دریا کے پانی میں نہانے سے دُھل جاتے ہیں۔ وہ جو اپنے آپ کو اس میں ڈبوتے ہیں، جنت میں بڑی مسرت بھری زندگی لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی ایک ہڈی بھی اس دریا کی نذر کرتا ہے، تو وہ کبھی کسی بُری جگہ نہیں جا سکتا۔" یہ یقین سینکڑوں سالوں سے قائم ہے اور آج بھی ہندو مذہب کا اہم جزو ہے!

قنوج کی حکومت سیلادیتا (ہرش وردھن) کے زیرِ نگیں تھی۔ ہیون سانگ کی تحریر دن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہرش ایک اچھا اور طاقتور حکمراں تھا۔ اس نے اپنی ساری سلطنت میں مسافروں کے لیے مسافر خانے بنوائے تھے اور بُدھوں کے لیے مٹھ تعمیر کرا رکھے تھے۔

گنگا میں سفر کرتے ہوئے ہیون سانگ کی کشتی پر قزاقوں کی ایک فوج نے حملہ کیا۔ یہ لوگ دیوی دُرگا کے پجاری تھے اور اس زمانے کے دوسرے ٹھگوں کی طرح انسان کی قربانی اپنی دیوی
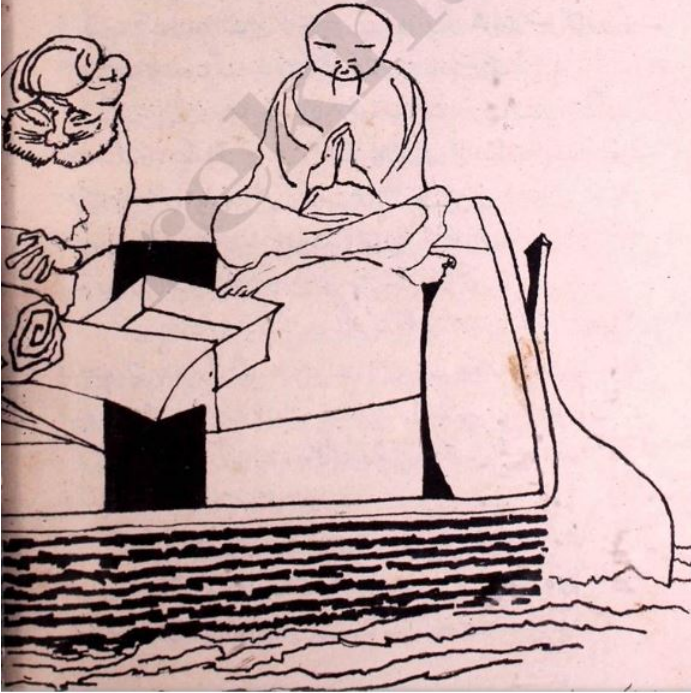
کے حضور پیش کرتے تھے۔ وہ اس وقت سب سے خوبصورت آدمی کو قربان کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے ہیون سانگ کا انتخاب کیا۔ ہیون سانگ نے کسی قسم کے خوف کا اظہار
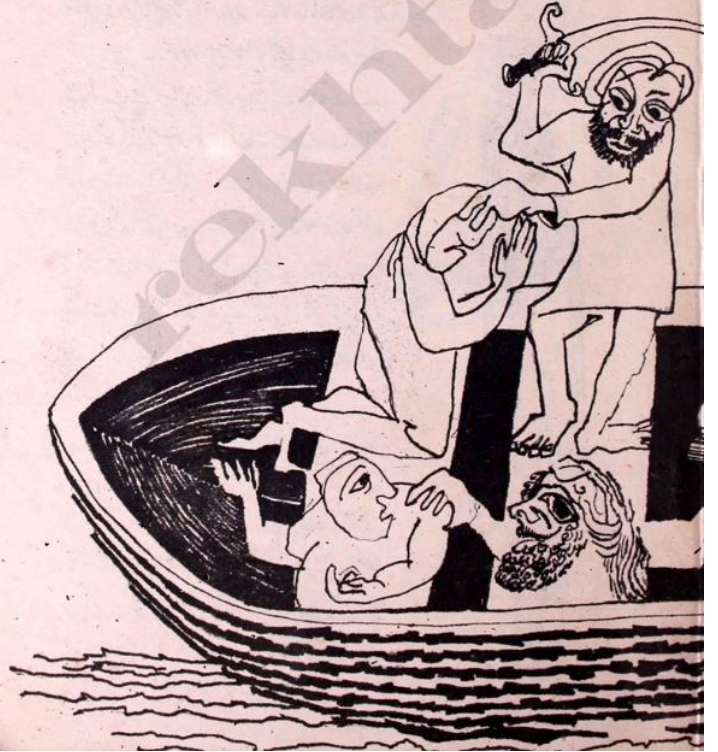
نہ کیا۔ اس نے صرف مہاتما بُدھ کی پرستش کی اجازت مانگی۔ یہ جان کر کہ ہیون سانگ ایک مذہبی آدمی ہے اور بہت دور سے ہندوستان آیا ہے، قزاقوں نے نہ صرف اس کی جان بخش دی بلکہ دوسرے مسافروں کو بھی چھوڑ دیا اور ان سب کا سامان بھی واپس کر دیا۔

ایک ننگا سادھو

پریاگ (موجودہ الہ آباد) پہنچنے پر اسے بہت کم بُدھسٹ ملے۔ ہیون سانگ بہت سے مقامات — سراوستی، کپل وستو، کوسی نگر، بنارس، سارناتھ، گیا، ویشالی، پاٹلی پتر اور راج گرہا، گیا جو مہاتما بُدھ سے کسی نہ کسی تعلق اور واسطے کی بنا پر تقدس حاصل کر چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ بُدھ یاتریوں کے یہ مقدس مقامات فاہیان کے زمانے سے بھی زیادہ غیر آباد اور اُجاڑ ہو چکے تھے۔ اشوک کی بنوائی ہوئی بہت سی یادگاریں بھی کھنڈر ہو چکی تھیں۔

شہر بنارس ایک بالکل نئی تصویر پیش کرتا تھا۔ یہ آباد اور دولت مند تھا۔ زیادہ تر لوگ شو کی پوجا کرتے تھے اور برہمنوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ وہاں گنے چنے ہی بُدھسٹ تھے۔ سادھو زیادہ تھے، جن میں سے کچھ تو بالکل ننگے اور کچھ بھبوت ملے رہتے تھے اور زیادہ تر کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ فانی زندگی سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کر لیں اور

ریاضت میں ڈوبے تین سادھو

اس مقصد کے لیے نفس کشی (ہٹ یوگ) کیا کرتے تھے۔

ہیون سانگ آخر اپنی منزل، مگدھ پہنچا۔ مگدھ جس کی اس نے بہت تعریف کی ہے اور جہاں وہ پانچ سال تک رہا۔ اس کا زیادہ تر وقت نالندا مٹھ میں گزرا جہاں دس ہزار بھکشو رہتے تھے۔ یہاں اس نے سنسکرت پڑھی اور دیگر علوم حاصل کیے۔

نالندا مگدھ کے پہاڑی علاقے میں واقع تھا۔ اس مقام سے تیس میل دور جہاں مہاتما بدھ کو گیان کی روشنی ملی تھی۔ نیک حاکموں نے یادگار عمارتیں بنوا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ مینار اور گنبد عمارتوں کے چاروں طرف بنوائے گئے تھے۔ بہتے پانی کے چشمے اور چھوٹے چھوٹے بن ان عمارتوں کو ٹھنڈا اور اچھی حالت میں رکھنے کے لیے موجود تھے۔ ایک دیوار کے پس پشت چھ مٹھ تھے۔ وہ عمارت جس میں بھکشو رہتے تھے، چھ منزلہ تھی، راجہ، رعیت اور قریبی شہروں کے عوام ان دس ہزار بھکشوؤں، کے ذمہ دار تھے۔ نالندا ہندوستان میں تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بدھ لٹریچر سے قطع نظر، یہاں تمام علوم، سائنس سے لے کر ویدوں تک، اور طب سے لے کر ریاضی تک کی تدریس کا انتظام تھا۔ چینی یاتریوں جیسے غیر ملکی طلبا اپنی جہالت کے اندھیرے کو دور کرنے کے لیے نالندا آتے تھے اور ان کی علمی استعداد کا جائزہ لینے کے بعد ہی انھیں داخلہ دیا جاتا تھا۔ اس طرح دس میں سے ایک یا دو کو ہی داخلہ مل پاتا تھا۔ ہر روز تقریباً سو پروفیسر پڑھایا کرتے تھے، اور ان میں سے ہر ایک دس یا زیادہ کتابوں کا مصنّف تھا۔ ان بھکشو طلبا کو لباس، کھانا، رہائش اور طبّی سہولتیں بغیر کسی معاوضے کے فراہم کی جاتی تھیں سِل بھدرا جو اس مٹھ کا سب سے بڑا منتظم تھا، اپنے علم اور پاکیزگی کے لیے ایک مشہور شخصیت کا مالک تھا، ہیون سانگ نے سِل بھدرا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور اسے ایک باعزت چیلے کا درجہ حاصل ہوا۔ دو بھکشو ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جن میں ایک سرامن تھا اور دوسرا ایک برہمن۔ وہ اسے روزانہ رتھ میں، ہاتھی پر یا پالکی میں بٹھا کر باہر لے جاتے تھے۔

مگدھ سے روانہ ہو کر ہیون سانگ نے بقیہ ہندوستان کا سفر کیا۔ وہ پہلے چمپا، کرن سورن، سماٹاٹا اور تامرلپتی کی حکومتوں میں گیا۔ وہاں سے وہ اڑیسہ کے مشرقی ساحل سے گزرتا ہوا کالنگا پہنچا، دراوڑ دیش میں مغربی کوسل یا برار سے گزر کر وہ آندھرا سے ہوتا ہوا کانچی پورہ (کانجی ورم) تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ کوکن پور پہنچا جس کے جائے وقوع کی آج تک نشان دہی نہیں ہو سکی ہے۔ وہاں سے وہ مغرب کی جانب چل کر مہاراشٹر آیا، یہاں اسے بہت سی بدھ یادگاریں دیکھنے کو ملیں، جنھیں اشوک نے بنوایا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ "لوگ مغرور اور جوشیلے ہیں۔ مہربانی کے لیے احسان مند اور بدی کے لیے انتقام پسند۔ یہ لوگ مصیبت زدہ ضرورت مندوں کے لیے تو جان تک بھی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں اور بے عزتی کرنے والوں کے جانی دشمن بن جاتے ہیں۔" تو اس قماش کے لوگوں کے بل بوتے پر پُلاکیسن دوم نے جنگ میں راجہ ہرش کو شکست دی تھی۔

مہاراشٹر سے بھڑوچ ہوتا ہوا وہ مالوہ پہنچا۔ اس نے یہاں کے لوگوں کو شریف،

شائستہ اور مہذب پایا زیادہ تر لوگ تعلیم یافتہ اور خوش گفتار تھے۔ مالوہ سے وہ سوراشٹر گیا۔ پھر وہاں سے شمال کی طرف سندھ، ملتان اور مکران سے ہو کر ایران کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے پھر دریائے سندھ کو عبور کیا اور مگدھ میں نالندا آ گیا۔

رسل بھدرا کی نگرانی میں اس نے نالندا میں پڑھایا۔ سنسکرت زبان میں کئی کتابیں لکھیں اور وہاں کے عالموں کے ساتھ شاستر ارتھ کے لیے مناظروں اور مباحثوں میں بھی حصّہ لیتا رہا۔ آسام کے راجہ نے اسے اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ اور آسام کے راجہ کی ہمراہی میں پہلی بار اس کی ملاقات ہرش سے ہوئی۔ ہرش نے ہیون سانگ سے قنوج چلنے پر اصرار کیا، جہاں بدھوں کا ایک بڑا اجلاس ہونے والا تھا۔ ہرش کے خراج گزار اٹھارہ چھوٹے راجہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہاں تین ہزار بھکشو، دو ہزار برہمن اور ایک ہزار نالندا مٹھ کے بھکشو طلبا رجمع ہوئے تھے۔ دو بڑی چھپر کی چھت والی عمارتیں اس زبردست مجمع کے قیام کے لیے بنوائی گئی تھیں۔ مہاتما بدھ کے سونے کے مجسمے کا ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ سب سے پہلے مہاراجہ نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور اس کے بعد اس کے درباریوں نے اس کی تقلید کی جن میں وزراء اور ارکینِ حکومت بھی شامل تھے۔ بھکشوؤں کو تحائف دیے گئے اور مہاراجہ نے ہیون سانگ سے اجلاس کی صدارت کی درخواست کی۔

ایک زبردست مباحثہ میں ہیون سانگ نے دوسرے نظریات کے عالموں کو قائل کر کے اپنی عظمت کا لوہا منوا لیا۔ ہرش نے بھی اس کی بہت تعریف کی اور کہا "ہمیں معلوم ہے کہ دھندلی روشنی سورج کی تیز چکاچوند کے سامنے معدوم ہو جاتی ہے اور لوہار کے ہتھوڑے کی آواز بجلی کی کڑک سے مٹ جاتی ہے اس لیے پلک جھپکنے میں ہی مصلحین غلطیوں اور کوتاہیوں کو ختم کر دیتے ہیں۔" اس کے بعد ہرش نے ہیون سانگ کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھایا اور اس بات کا اعلان
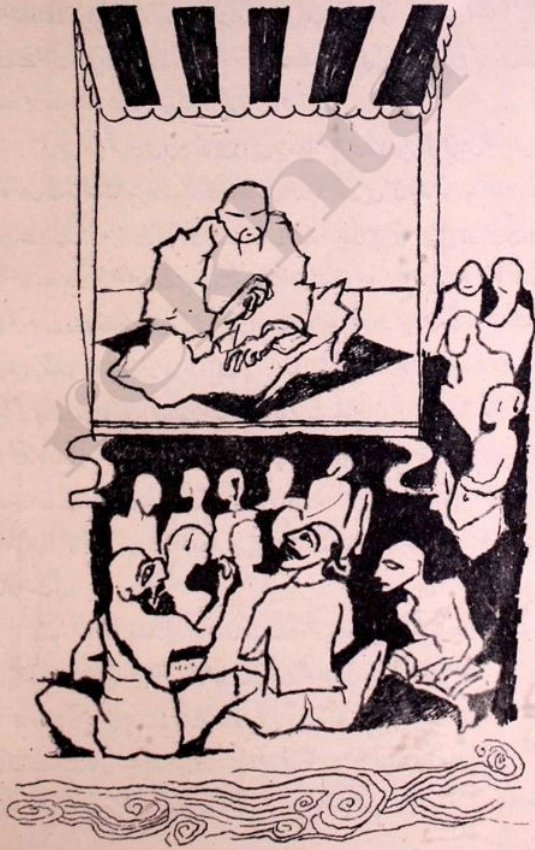
کردیا کہ چینی اپنے علم میں کامل استاد ہے!

اب ہیون سانگ اپنے وطن لوٹ جانا چاہتا تھا۔ اس نے نالندا کے بھکشوؤں سے گھر جانے کی اجازت چاہی لیکن راجہ ہرش نے اس میں مداخلت کی اور اس سے سنگم (پریاگ) کے چھٹے پانچ سالہ اجلاس میں شرکت کی گزارش کی۔

یہ واقعی ایک عظیم الشان موقعہ تھا۔ تقریباً پانچ لاکھ آدمی شاہی خیرات حاصل کرنے کے لیے پریاگ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ کئی ہال سونا، چاندی، کپڑا اور ان دوسری اشیا کو رکھنے کے لیے تعمیر کیے گئے تھے، جو خیرات میں دی جانے والی تھیں۔

خیرات باٹنے سے پیشتر مذہبی پوجا کی گئی۔ پہلے دن مہاتما بُدھ کی سونے کی مورتی کا جلوس نکالا گیا۔ دوسرے دن سورج دیوتا (آدیتہ) کا اور تیسرے دن شوجی کا۔ پھر پچھتّر دن تک راجہ دان دیتا رہا۔ ہیون سانگ کو بھی سونے کے ایک ہزار سکّے پیش کیے گئے لیکن اس نے انھیں قبول کرنے سے انکار کردیا کیوں کہ وہ تو یہاں علم حاصل کرنے آیا تھا نہ کہ دولت جمع کرنے۔

اس اجلاس کے بعد ہیون سانگ مہاتما بُدھ سے متعلق ایک انمول خزانے کو اپنے ساتھ لے کر وطن روانہ ہوگیا۔ اب اس کے پاس مہاتما بُدھ کی تین سونے کی، ایک چاندی کی اور تین صندل کی لکڑی کی مورتیاں تھیں۔ اس کے ساتھ مہاتما بُدھ کے ڈیڑھ سو تبرکات بھی تھے۔ ۶۵۷ کتابیں بھی اس نے جمع کی تھیں جو ۲۲ گھوڑوں پر لدی ہوئی تھیں۔ اس کی بقیہ عمر ان کتابوں کو سنسکرت سے چینی زبان میں ترجمہ کرنے میں صرف ہوئی اور اس کام میں اس نے دو ہندوستانی عالموں سے بھی مدد لی۔

صاف ظاہر ہے کہ ہیون سانگ کی دلچسپی مذہب میں تھی نہ کہ سماجی معاملات میں پھر بھی اس نے چار خاص ذاتوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان سے متعلقہ دوسری ذیلی ذاتوں کے بارے میں اس نے
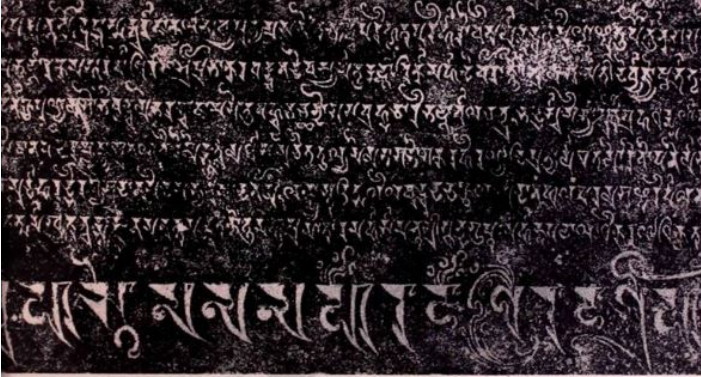
مہاراجہ ہرش کے زمانے کا ایک قدیم کتبہ

کچھ نہیں لکھا ہے، جو اس زمانے میں یقیناً موجود تھیں لیکن جنھیں ہیون سانگ سمجھ نہیں سکا تھا۔ اس کے مشاہدے میں یہ بات بھی آئی کہ ایک عورت کو دوسری بار شادی کی اجازت نہیں تھی۔ تعلیم برہمنوں تک محدود تھی جو تیس سال کی عمر تک اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔

اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے خاص اور اہم حالات لکھنے کے لیے خصوصی لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ خود ہیون سانگ نے ہندوستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان دستاویزوں سے مدد لی ہے۔ ہندوستانیوں کی صاف ستھری زندگی دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا تھا۔

ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ ہندوستان ستّر رقبوں میں تقسیم ہے، اور ہر حصّہ آزاد ہے۔

راجہ کی فوج چار ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پیدل، گھڑسوار، رتھ اور ہاتھی۔ لڑائی کے ہتھیار برسوں سے تبدیل نہیں ہوئے ہیں۔ مجرموں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں، یہی وجہ ہیون سانگ کی نظر میں جرائم کی کمی کا سبب تھی۔

ہیون سانگ نے اشوک کے بنوائے مٹھ، سلسلۂ کوہ ہندوکش سے لے کر پینی سولا کے جنوبی کنارے تک پائے اور تامرلپٹی سے لے کر سندھ سے آگے تک پھیلے ہوئے دیکھے۔ فاہیان کی طرح ہیون سانگ نے بھی زیادہ تر مہاتما بُدھ کی زندگی اور ہندوستان اور باہر بُدھ مت کے اثرات پر ہی زیادہ روشنی ڈالی ہے۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بُدھ مت کے کتنے ہی عقیدے کس طرح موجودہ ہندو مذہب میں مدغم ہوئے۔ مثال کے طور پر ہم ہندو مذہب کی بُت پرستی کو لیتے ہیں۔ ہیون سانگ کا کہنا ہے کہ مہاتما بُدھ کی پہلی تصویر مگدھ کے راجہ بمبو سار کے عہد میں بنائی گئی تھی۔ ایک کپڑے پر ان کی پرچھائیں کا عکس بنا کر اس میں رنگ بھر دیے گئے تھے۔ فاہیان نے صندل کی لکڑی سے بنی ہوئی بُدھ کی مورتی کا ذکر کیا ہے جو کوسل حکومت میں بنی تھی۔ مہاتما بُدھ نے مورتی پوجا کی سخت مخالفت کی تھی لیکن ہندو مذہب کے زیرِ اثر ان کی تصویریں اور مورتیاں پوجا کے لیے نہیں بلکہ گھر میں بُدھ مہاراج کی یاد تازہ رکھنے کے خیال سے بنائی گئی تھیں اور یہ تو برسوں بعد کی باتیں ہیں کہ ان سے معجزے اور محیّر العقول باتیں منسوب کی گئیں۔ بعد میں تو مہاتما بُدھ کے تبرکات، جیسے ان کی ہڈیاں، راکھ اور ذاتی استعمال کی چیزیں بھی ان کی تصویروں اور مورتیوں کے ساتھ پوجی جانے لگیں۔ دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھتی ہی رہی۔ بقول ہیون سانگ مہاتما بُدھ کے قدموں کے نشانات بھی جگہ جگہ ملے تھے۔ اور ایسی سب جگہوں پر مٹھ بنوا دیے گئے تھے۔ صرف اشوک نے ہی ایسی ۸۴۰۰۰ مقدس عمارتیں بنوائی تھیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، مہاتما بُدھ کی پوجا کے ساتھ ان کے خاص چیلوں کو بھی اہمیت

ہیون سانگ کا سفرِ واپسی

دی جانے لگی۔ ان کے ساتھ ہی مندروں میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی پوجا بھی ہوتی تھی اور ان کے جلوس بھی نکالے جاتے تھے۔ اس طرح دونوں مذہب قریب آتے گئے۔ انجام کار اس نے موجودہ ہندو مذہب کی صورت اختیار کر لی کہ ہندوؤں کے بہت سے دیوی دیوتاؤں میں ایک دیوتا مہاتما بُدھ بھی ہیں!

مٹھوں میں بھی یہی سلسلہ چل رہا تھا، مہاتما بدھ نے بھکشوؤں کے لیے ایک خاص ضابطہ (سنگھ) قایم کیا تھا، جس کی انھیں ہمیشہ پابندی کرنی تھی تاکہ بدھ مت زندہ رہے۔ تمام ملک میں مٹھ تو بنا دیے گئے تھے مگر مذہبی قوت کو باقی اور قائم رکھنے کے لیے سنگھ کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ خانقاہی زندگی صرف بدھوں تک محدود نہیں رہ گئی تھی، ہندوؤں اور جینیوں نے بھی اپنے مٹھ بنا لیے تھے اور کبھی کبھی تو وہ بدھ مٹھوں کے برابر ہی ہوتے تھے، جیسا کہ اجنتا اور ایلورا غاروں میں ہے۔ اس طرح سب کا ایک عمومی رجحان بنتا گیا تھا۔

ہندوستان کی ثقافتی زندگی میں مذہبی رواداری ہمیشہ قابلِ ذکر رہی ہے۔ ہر فرد کو آزادی حاصل تھی کہ وہ کسی بھی مذہب کی پیروی کرے، مذہبی بحث مباحثے (شاستزارتھ) بہت سے مسائل کی وضاحت کے لیے اکثر ہوتے رہتے تھے۔ عالموں کے درمیان اختلافات صرف نظریات تک محدود تھے اور عملی زندگی میں ایک دوسرے کو نقصان کوئی نہیں پہنچاتا تھا۔

مذہبی رواداری زندگی میں پوری طرح رچ بس گئی تھی۔ صدیوں کا یہ رجحان موجودہ آئین کی بنیاد اور غیر مذہبی حکومت کی تشکیل کا سبب ہے، جہاں سب لوگوں سے مذہب، ذات، نسل کو نظر انداز کرتے ہوئے یکساں سلوک کیا جاتا ہے اور سب ہی کو زندگی کی مسرتیں حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہیں۔

البرونی کا ہندوستان

ایک مسلمان عالم ابوریحان، جو البرونی کے نام سے مشہور ہے، ہندوستان آنے والا پہلا سیاح ہے جو تقریباً ایک ہزار برس پہلے یہاں آیا تھا۔

۹۷۳ء میں وسطِ ایشیا کے علاقے خیوا میں البرونی پیدا ہوا۔ اور جوان ہوتے ہوتے ایک زبردست عالم بن گیا۔ چالیس سال کی عمر ہوتے ہوتے اس نے سائنس، ریاضی، نجوم اور جوتش پر جتنی بھی کتابیں عربی زبان میں موجود تھیں، سب پڑھ ڈالیں، وہ اپنا مطالعہ اپنے وطن میں ہی جاری رکھتا لیکن اچانک حالات بدل گئے۔ سلطان محمود غزنوی نے خیوا پر حملہ کر دیا یہ وہی محمود غزنوی ہے جس نے گیارھویں صدی عیسوی کے شروع میں سال سال بھر کے بعد ہندوستان پر حملے کیے تھے۔ سلطان نے خیوا فتح کر لیا۔ اور شہر کے دوسرے معززین کے ساتھ البرونی کو بھی قیدی بنا کر وہ غزنی لے آیا، جہاں اس نے انھیں جلا وطن کر دیا اور ان سے کہا کہ وہ خیوا سے کہیں اور جا کر رہیں، اس لیے البرونی نے ہندوستان کا رخ کیا۔

البرونی نے اپنی جلا وطنی کا زمانہ سنسکرت زبان و ادب پڑھنے میں گزارا۔ اس نے عربی زبان میں تقریباً بیس کتابیں ترجمہ کیں اور لکھیں ان کتابوں میں ہندوستان کے بارے میں اس کا کام سب سے اہم ہے۔ اس عالم فاضل شخص نے دیکھا کہ ہندو نظریۂ زندگی بہت ہی کشش انگیز ہے۔

البیرونی کا کہنا ہے کہ ہندوستان، جس سے مراد صرف شمالی ہندوستان ہے، شروع شروع میں ایک سمندر تھا جو صدیوں میں ہمالیہ کے دریاؤں کے ذریعہ لائی ہوئی مٹی اور لاوے سے بھر گیا، اس بات کی تصدیق جدید سائنس داں بھی کرتے ہیں، اگرچہ دوسرے سیاحوں نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ ہندوستان کے دریاؤں اور پہاڑوں کے

شرادا نامی ایک عجیب وغریب جانو
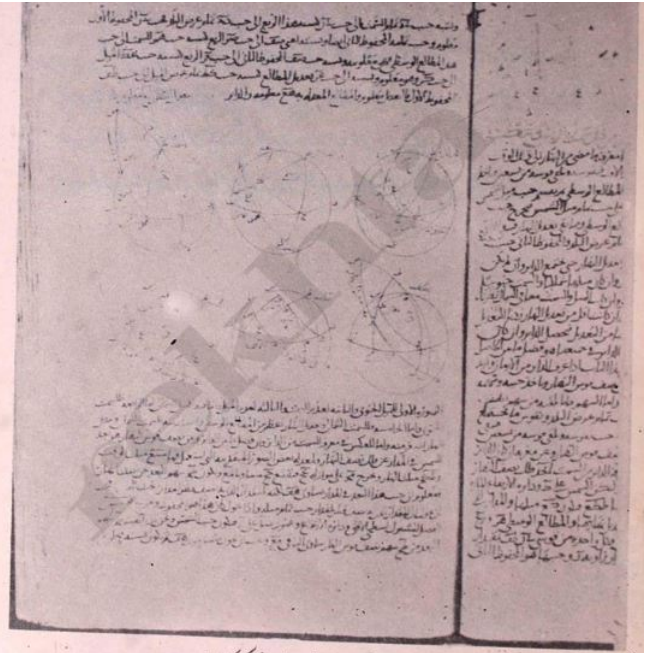
ہندوستانی علمِ نجوم جس کا البیرونی نے ذکر کیا ہے

اس کا اصل مقصد ہندوستان کے مذہبی، ادبی اور سائنسی روایات کا ذکر کرنا تھا، لیکن اس نے ہندوستان کے عام معاملات سے متعلق بھی بڑی مفید معلومات مہیا کر دی ہیں۔ اس نے ہمارے ملک کے لوگوں کے طور واطوار، رسم ورواج اور وہمی اعتقادات کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

تذکرے سے قطع نظر اس نے قنوج جو شمالی ہند کا مرکز سمجھا جاتا تھا، سے دوسرے اہم جگہوں کے فاصلے اور راستے بھی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بہت سی جگہیں آج صرف کھنڈرات کی صورت میں باقی ہیں۔

ہندوستان کے حیوانات کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی نے لکھا ہے کہ شمالی ہند کے
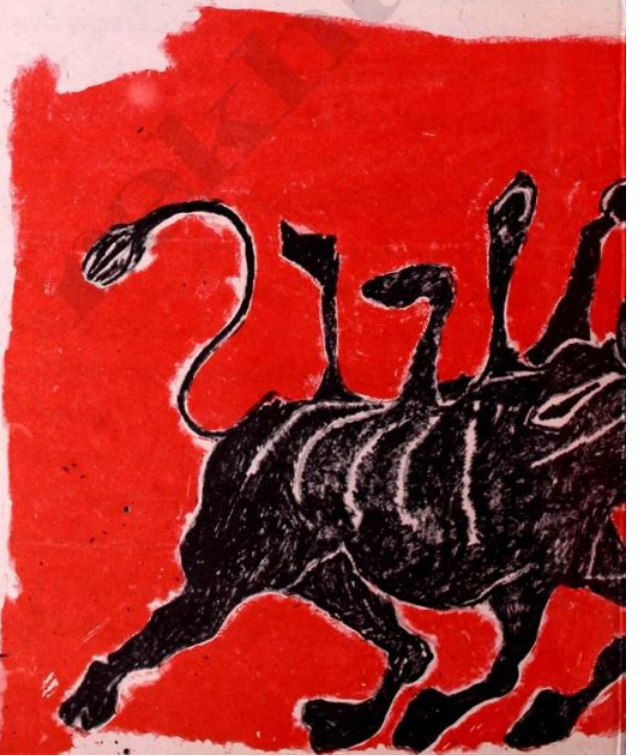
دریاؤں میں گھڑیال ہوتے ہیں۔ بہت سے علاقوں میں تیندوے بہ کثرت ملتے ہیں، اگرچہ میگستھنیز کی طرح اس نے بھی ایک خیالی جانور کا تذکرہ ہے۔ اسے ایک عجیب و غریب جانور شرادا کے بارے میں بتایا گیا تھا جو کونکن کے میدانوں میں ملتا تھا۔ چار پیروں پر تو وہ کھڑا رہتا تھا اور چار پیر اس کی کمر پر ہوتے تھے، شکل میں بھینسے سے ملتا جلتا تھا اور قد و قامت میں تیندوے سے بڑا ہوتا تھا۔ یہ بہت ظالم اور خوفناک جانور تھا جو اپنے شکار کو اُٹھا کر اپنی کمر پر کے پیروں سے جکڑ لیتا تھا۔ غصّے اور جوش میں وہ پہاڑ پر چڑھ کر آسمان میں کڑکنے اور چمکنے والی بجلی سے بھی لڑنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہندوستان کے چار آنکھوں والے ہرن بھی البیرونی کے علم میں لائے گئے تھے۔

میگستھنیز اور البیرونی کی کہانیوں میں فرق یہ ہے کہ اس یونانی نے ان محیّر العقول کہانیوں پر یقین کر لیا تھا جو سونا کھودنے والی چیونٹیوں وغیرہ کے بارے میں اُسے سنائی گئی تھیں جب کہ سائنسی دماغ والے البیرونی نے شرادوں اور ہرنوں کا بڑا سرسری تذکرہ کیا ہے مگر کہیں بھی اپنے یقین کا اظہار نہیں کیا ہے۔

البیرونی ہندوستانیوں اور ان کے کارناموں کے بارے میں لکھنا چاہتا تھا لیکن اس نے دیکھا کہ یہاں کے لوگوں کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ ادب کلاسیکی سنسکرت میں تھا اور اکثر و بیشتر زبانی یاد کر لیا جاتا تھا، اور سنسکرت، عربی یا فارسی کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل زبان تھی۔

اس کے علاوہ لوگوں کا رویّہ نہایت عدم تعاون کا تھا۔ لوگ خود پسند اور تنگ خیال تھے اور تمام غیر ملکیوں کو تعصب کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کو 'ملیچھ' کہتے تھے اور ان کو صرف اس وجہ سے بُرا سمجھتے تھے کہ وہ طور طریق، رسم و رواج، اخلاق اور لباس میں ان سے مختلف ہیں۔ البیرونی کے الفاظ میں:

"ہندوؤں کو یہ یقین تھا کہ ان کے ملک جیسا نہ تو کوئی دوسرا ملک ہے اور نہ ان کی قوم جیسی کوئی دوسری قوم ہے، نہ ان کے راجاؤں کی طرح دوسرے راجا ہیں، نہ ان کے مذہب جیسا مذہب ہے، نہ ان کی سائنس جیسی سائنس ہے" اور ان کی کوشش تو یہ ہوتی تھی کہ ان کا علم ان کی اپنی قوم میں ایک ذات سے دوسری ذات کے لوگوں تک بھی نہ پہنچ سکے، نہ کہ غیر ملکی اسے سیکھ سکیں۔

البیرونی نے بہت سی رسموں کا ذکر کیا ہے جو کہ یہاں کے لوگوں کی زندگی میں اس کے مشاہدے میں آئی تھیں۔ اس نے لکھا ہے "ہندو پہلے پیر دھوتے ہیں اور اس کے بعد چہرہ" اور ناخونوں کو مدت تک بڑھنے دیتے ہیں۔ ہر ہندو علیحدہ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ کھانا کھانے سے پہلے یا تو پان چبایا جاتا ہے یا نسل پی جاتی ہے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر وہ سواری کرتے ہیں اور دائیں طرف خنجر لٹکاتے ہیں، کسی سے مصافحہ کرتے وقت اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ جس سے ملنے جاتے ہیں اس کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جاتے ہیں لیکن واپسی صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ آپس میں گفتگو کرنے کے لیے زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑوں کی بزرگی کا خیال کیے بغیر وہ ان کے سامنے تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کسی کو کوئی شے دینی ہوتی ہے تو وہ اسے اس کی طرف اچھال دیتے ہیں۔ شطرنج دو کی بجائے چار آدمی کھیلتے ہیں۔"

جہاں تک لباس کا تعلق ہے، کچھ لوگ تو اپنی کمر کے گرد ایک معمولی سا کپڑا لپیٹ لینے پر قناعت کرتے تھے اور کچھ لوگ ایک لمبے کپڑے سے اپنے پاؤں تک ڈھک لیتے تھے، سدارے سر، چھاتی اور گردن ڈھانک لی جاتی تھی۔ مرد عورتوں کی طرح کانوں میں بالے اور بانہوں پر بازو بند پہنتے تھے، کرتا یا ایسا لباس جو شانوں سے بیچ جسم تک آتا تھا، صرف عورتیں پہنتی تھیں۔

ہندوستانیوں کو خود پسند اور تنگ دل سمجھنے کے باوجود البیرونی نے ان کی خوبیوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر لی تھیں۔ اس نے ہندوؤں کے خداپرستی کے نظریے کی بڑی تعریف کی ہے۔ پاتن جلی اور بھگوت گیتا کی بنیاد پر اس نے لکھا ہے:

"ہندوؤں کا خدا کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ واحد ہے، ابدی ہے، نہ تو اس کا کوئی آغاز تھا نہ اختتام ہوگا۔ وہ قادرِ مطلق اور عالم الغیب ہے، تمام کائنات کا خالق اور پرورش کرنے والا ہے۔"

لیکن سب ہندو ان خیالات کے نہیں تھے۔ جاہل عوام کے خیالات خدا کے متعلق بالکل دوسرے تھے۔ دیوتاؤں کی مورتیاں بنانے کے سلسلے کو البیرونی نے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا تھا۔

البیرونی نے ہندوؤں کی مذہبی رسموں کا بڑے غور سے مشاہدہ کیا تھا، اس نے لکھا ہے کہ "ہندو یاتری مقدس مقامات جیسے وراناسی، پُشکر، تھانیشور اور ملتان جاتے تھے۔ مرنے والوں کی ہڈیاں مقدس گنگا میں بہائی جاتی تھیں اور دان پُن پر لوگوں کو پورا یقین تھا۔ کئی چیزوں کو ناپاک سمجھ کر کھایا نہیں جاتا تھا اور اکثر مذہبی تہواروں پر اپنی عاقبت سدھارنے کے لیے برت بھی رکھتے تھے۔ اس قدر وہمی تھے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی بھی بغیر شگون کے شروع نہیں کرتے تھے۔ اپنے روزمرہ کے جھگڑے قانونی عدالتوں میں لے جانے کی بجائے قسمیں کھا کر اور کڑی آزمائشوں سے گزر کر نپٹا لیتے تھے۔"

البیرونی نے ذات پات کے سخت نظام کی بھی عکاسی کی ہے۔ ہندو اپنی ذات کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لیے اسے ہر قسم کی ملاوٹ سے بچاتے تھے اور اس لیے لوگوں کو اپنا آبائی پیشہ اختیار کرنے کی ہی اجازت تھی، ایک برہمن سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنی ساری زندگی مذہبی کاموں میں صرف کرے گا، اسی طرح دوسری ذاتوں کے لوگوں سے بھی یہی امید کی جاتی تھی کہ وہ اپنے دھرم کا پوری طرح سے پالن کریں گے لیکن ہر شخص کو اس بات کی پوری آزادی تھی کہ وہ خدا کی

عبادت کسی طرح بھی کرے، اگر کوئی شخص اپنی ذات کے کاموں کو چھوڑ کر دوسری ذات کے کام اختیار کر لیتا تھا تو اُسے زبردست گناہ اور جرم سمجھا جاتا تھا کیوں کہ اس سے سماج کے بندھے ٹکے نظام میں خلل پڑتا تھا اس سے ظاہر ہے کہ ذات کا تعلق پیدائش سے تھا اور اسے سب کو بلا کسی پس و پیش کے قبول کرنا پڑتا تھا۔

کیا البیرونی نے اچھوتوں کے وجود کا اقرار کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ پست جاتیوں کے لوگ اور اچھوت اُس زمانے میں بھی گھٹیا سمجھے جاتے تھے۔ ان کو "انتیاجا" کہا جاتا تھا اور یہ آبادی کے باہر رہتے تھے، ان کی سماجی حیثیت شودروں سے بھی کمتر تھی۔ یہ اچھوت اور پست جاتی لوگ آٹھ جماعتوں میں تقسیم تھے: مداری، ٹوکری اور ڈھال بنانے والے، مچھیرے اور شکاری، چھیپی، موچی اور جولاہے۔ ان کے علاوہ ہاڈی، ڈوم، چنڈال اور بدھتاؤ بھی تھے جن کا شمار کسی بھی ذات میں نہیں تھا، یہ میلا اُٹھانے کا کام کرتے تھے۔ ان کے ذمے گاؤوں اور دوسری ضروری جگہوں کی صفائی کا کام تھا۔ انھوں نے خود اپنی ایک جماعت بنا رکھی تھی جس میں پیشوں کے اعتبار سے امتیاز کیا جاتا تھا۔ سب سے کمتر درجہ بدھتاؤ کا تھا جو کہ مردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔

مختلف ذاتوں میں کوئی سماجی رابطہ نہیں تھا۔ اگر ایک ہی ذات کے کچھ لوگ کھانے کے لیے ساتھ بیٹھتے تھے تو وہ بھی اپنی اپنی نشست کے درمیان ایک تختہ رکھ کر حد بندی کر لیتے تھے اگر روک کے لیے کوئی چیز نہ ملتی تھی تو ایک لکیر کھینچ کر ہی حد بندی کر لیتے تھے، ہر آدمی الگ تھال میں کھانا کھاتا تھا۔ اور اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو وہ کسی مشترک تھال میں سے نہیں لے سکتا تھا۔

البیرونی نے اپنی کتاب میں متفرق معاملات کے علاوہ نجوم اور جوتش کے پانچ سدھانتوں کی بھی وضاحت کی ہے۔ اس نے زمین، سیاروں، ان کی جسامت، حجم گردش کے ساتھ ساتھ سورج اور

البرونی کی ایک قدیم تصویر

چاند گرہن، عرض البلد اور طول البلد، نجوم کے آلات، جوتش کے معاملات کے متعلق بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے ریاضی داں اور جوتشی زبردست عالم تھے لیکن منطقی طور پر وہ اپنے علم کا ادراک نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کائنات کی تخلیق، زمان و مکان کا نظریہ اور اس کی تقسیم کے متعلق پرانوں میں لکھے ہوئے روایتی خیالات کو ہی تسلیم کر لیا تھا، البیرونی کے خیال کے مطابق
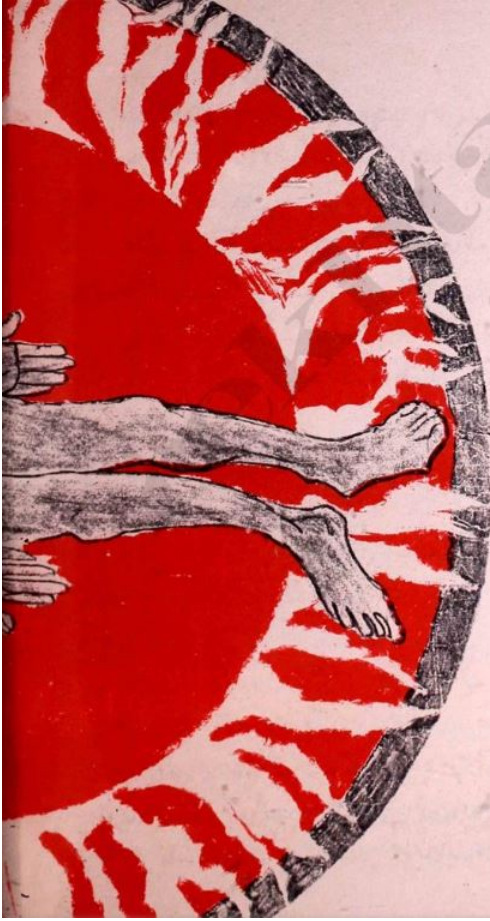
ان کی اس کمی سے سائنس کو نقصان پہنچا تھا۔

علم نجوم کی طرح علمی دنیا میں طب کا درجہ بھی بہت اونچا تھا۔ چرک، جس کی کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جا چکا تھا، اس موضوع کا سب سے بڑا ادیب مانا جاتا تھا، یہ یقین بھی عام تھا کہ سانپ کے کاٹے کا علاج صرف منتروں سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

کیمیا مختلف گھٹیا دھاتوں سے سونا بنانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہندو رسائن بھی تیار کرتے تھے جس سے دکھی بیماروں کو صحت ملتی تھی اور جس سے بڑھاپا جوانی میں بدل جاتا تھا۔

البیرونی نے رسائن کے استعمال کے سلسلے میں کئی دلچسپ قصے بھی بیان کیے ہیں اس نے دھار کے مقام پر راجہ بھوج کے محل میں رکھے ہوئے ایک لمبے چاندی کے ٹکڑے کی کہانی اس طرح سنائی ہے۔

"ایک دن ایک شخص رسائن کا ایک نسخہ لے کر مالوہ کے راجا کے پاس آیا اور اس بات کی شیخی بگھاری کہ اس کے پاس غیر فانی ہونے کا نسخہ ہے، اُس نے راجا سے کہا کہ اگر وہ اُبلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں کود پڑے تو خاص خاص وقفے سے اس میں کچھ اہم سفوف ڈالے جائیں گے اس کے بعد راجا لافانی شخصیت بن جائے گا۔ لیکن راجا ڈر گیا اور اُس نے اُبلتے ہوئے تیل میں کودنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اپنی بات ثابت کرنے کے لیے وہ آدمی راجا کو کچھ مختلف سفوف ایک خاص ترتیب سے تیل میں ڈالنے کی ہدایت دے کر خود اُبلتے تیل میں کود گیا۔

سب سے پہلے اس آدمی کے جسم کا گودا بن گیا لیکن جوں ہی راجا نے وہ سفوف ڈالنے شروع کیے، وہ گودا پھر انسانی شکل پکڑنے لگا۔ سب سے آخر کا سفوف ڈالنے سے پہلے راجہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ "اگر واقعی یہ انسان غیر فانی بن گیا تو یہ میری سلطنت کو فتح کرے گا" یہ سوچ کر اس نے آخری سفوف تیل میں نہ ڈالا۔ جب تیل ٹھنڈا ہوا تو ٹھوس چاندی کا ایک ٹکڑا اس میں موجود تھا۔

البرونی نے ناپ تول کے ان پیمانوں کے بارے میں بھی لکھا ہے جو اس زمانے میں ہندوستان میں رائج تھے۔ تول کے پیمانے جگہ جگہ مختلف تھے، کیوں کہ ان کا کوئی پختہ معیار نہیں تھا اس لیے ان کی مزید تقسیم بھی یکساں طور پر نہیں کی جا سکتی تھی۔ مختلف اشیاء کو مختلف انداز سے تولا جاتا تھا اس لیے اس قسم کی تول میں ہمیشہ غلطی کا امکان رہتا تھا۔ یہی کمی فاصلے کے اندازے میں بھی تھی، مثال کے طور پر انگوٹھے کی بلندی سے لے کر چھوٹی انگلی کے سرے تک کے فاصلے کو 'تال' کہتے تھے اور ہر آدمی کا قد اس کے اپنے آٹھ تال کے برابر ہوتا تھا۔ اکثر تال کے فاصلے میں فرق پڑ جاتا تھا اس طرح ماپ کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔

ہندو بائیں سے دائیں طرف لکھتے تھے، اور جنوب میں لوگ لکھنے کے لیے 'تاری' کے پتے استعمال کرتے تھے اور پھر ان کو چھید کر ان میں سے ایک رسّی گزار کر باندھ دیتے تھے۔ شمال میں لوگ 'تُز' درخت کی چھال کو تیل میں پکا کر اس کی سطح کو لکھنے کے لیے ہموار اور چکنی بناتے تھے۔ پھر تمام صفحوں کو ایک جگہ باندھ کر ان کی 'پوتھی' یا پستک بنا لی جاتی تھی۔ دیوناگری حروف تہجی کے علاوہ ہر علاقہ کے اپنے حروف تھے۔ ہندو اپنی کتابیں لفظ 'اوم' سے شروع کرتے تھے، جسے کائنات کے آغاز کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ایسا کرنے سے ہر کام میں برکت ہوتی تھی اور خدا کی وحدانیت میں یقین بڑھتا تھا۔

گیارھویں صدی کے ہندوستان کی اس تصویر سے جو البرونی نے کھینچی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اپنے آپ میں محدود اور اپنے اصول اور ضابطوں میں سخت تھے، ذات پات کو سختی سے مانا جاتا تھا اور اس کے اصولوں کی پوری طرح پابندی کی جاتی تھی اور پہلے زمانے کے حالات پر کھلے طور سے تبصرہ نہیں کیا جاتا تھا جب کہ ہیون سانگ ہندوستان آیا تھا۔ لوگ تعلیم یافتہ تھے اور زندگی کے بہت سے شعبوں میں کافی آگے تھے لیکن پھر بھی روایتی وہم پرستی ان کے ذہنوں پر حاوی تھی اس لیے وہ نہ تو صحیح واقعات کی کھوج کرنے کے قابل تھے اور نہ ہی بے کار اور اہم خیالات میں تمیز رکھتے تھے۔ البرونی کے

گیارھویں صدی کے ہندوستانی سکّے
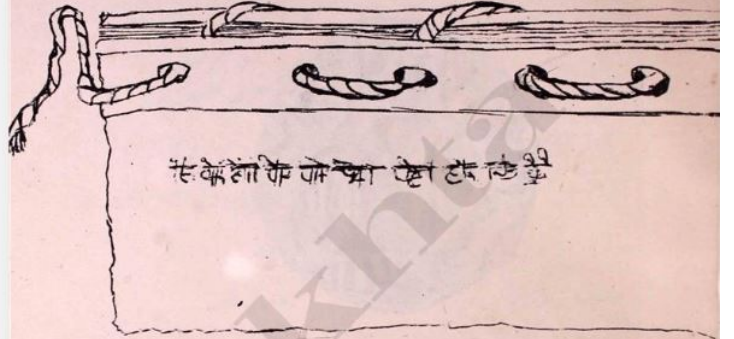
چھال کے صفحوں کی ایک کتاب۔

اپنے الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے:

"وہ ہمیشہ وہم وشک میں مبتلا رہتے ہیں۔ منطقی ضابطے سے قطعی خالی ہیں۔ بھیڑ چال کے قائل ہیں کیوں کہ کچھ لوگ جیسا کرتے ہیں ویسا ہی سب کرنے لگتے ہیں۔ میں ان کے علم ریاضی اور علم جوتش کو موتیوں اور ترش کھجوروں کا مرکب کہہ سکتا ہوں۔ موتی اور گوبر کا میل یا قیمتی جواہرات اور معمولی ذرّوں کی ملی جُلی ڈھیری۔ ان کی نظروں میں بہتر اور کمتر دونوں قسم کی چیزیں برابر ہیں کیوں کہ وہ خود کو کسی بھی طرح، کسی بھی سائنسی شعور تک نہیں اُٹھا سکتے ہیں۔"